سلسلہ مطبوعاتِ صوفی نمبر ۴۳

مذہب اور تلوار

مُصنفہ
مولٰینا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی

بداخذ جملہ حقوق
صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ
پنڈی بہاؤالدین پنجاب کے لئے
ملک محمد الدین صاحب مینجنگ ڈائرکٹر نے
رفیق عام پریس ریلوے روڈ لاہور سے
چھپوا کر شائع کیا!
قیمت فی جلد ۸ر
(باہتمام چودھری محمد لطیف خاں پرنٹر)

صحابیات

انگلستان کی مادر پدر آزاد خاتونیں۔ فرانس کی عیش پرست لیڈیاں۔ امریکہ کی حسابی کتابی بیویاں
آج ہماری مستورات کو کامیاب نہیں بنا سکتیں۔ حضرت خدیجہؓ کی پاکبازی۔ حضرت عائشہؓ کا تفقہ
فی الدین۔ حضرت زینبؓ کی کریم النفسی۔ ہندہؓ کی جوانمردی اور حضرت اسماءؓ کی مستقل مزاجی اور بلند حوصلگی
کی داستانیں ہی ہماری بگڑی قسمت کو بنا سکتی ہیں اور ہمارے بخت خفتہ کو جگا سکتی ہیں۔ مسلمانوں کی
اہلی اور منزلی زندگی حرام ہو رہی ہے۔ ہمارے گھر نہیں دوزخ کے نمونے ہیں کہیں پھوہڑ پن سے طوفان
برپا ہے۔ کہیں جہالت سے ہلاکت۔ کہیں بدمزاجی کا تسلط ہے تو کہیں لامذہبی کی حکومت کہیں بخل نے
نحوست پھیلا رکھی ہے تو کہیں فضول خرچی نے تباہی۔ غرض بہت کم ایسے گھرانے ہیں جو حقیقی طور پر
اسلامی کہلانے کے مستحق ہوں۔ ان تمام خرابیوں اور بربادیوں کا واحد علاج صحابیاتؓ کا
مطالعہ ہے۔ مسلمان مستورات ان پاکباز اور قابل تقلید خاتونوں کے حالات سے عبرت و موعظت
حاصل کریں گی۔ ان کی زندگیاں پاکیزہ اور اخلاق بلند ہونگے اور ان کے بچے سچے مسلمان بنیں گے
اگر ہر ایک مسلمان ماں صحابیاتؓ کے اوصاف سے متصف ہو کر اپنے بچوں کی تربیت کرے
تو ہم دعوٰی سے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا موجودہ ادبار و تنزل بیس سال سے زیادہ اپنی نحوست سے
ہمیں تباہ و برباد نہ کر سکے گا۔

اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ صحابیات منگواؤ اور مسلمان بچیوں اور خاتونوں کو
پڑھاؤ۔ ۵۸ صحابی خاتونوں کے سوانح حیات اس دلفریب روح پرور کتاب میں درج ہیں۔
اس کا مصنف ہندوستان کا بہترین انشا پرداز، واقعہ نگار مولانا نیاز فتحپوری ہے۔ مولانا موصوف کی
سحرکاریوں سے ادبی دنیا اس وقت سے آشنا ہے جب سے شاہ نگار کا دلفریب پرچہ نقاد آگرہ سے نکلنا شروع ہوا
اس کے بعد سے جناب نیاز نے انشا پردازی کی دھاک بٹھا دی ہے قیمت بلا جلد ۲ مجلد ۸ ہے

پتہ ملنے کا۔ منیجر صوفی کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر
وللہ الحمد

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم انک حمید مجید

اما بعد

ہندوستان میں انگریزی عملداری کی بتدریج ترقی اور بالآخر کامل اقتدار و استحکام کے بعد تلواروں کی کھچا کھچ۔ بندوقوں کی دنا دن۔ توپوں کی گرج اور گڑگڑاہٹ کا شور کم ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہوگیا۔ اور ہندوستان کا کرۂ ہوائی انسانی خون کے ذرات اور باروت کے دخانی اجزا سے پاک و صاف ہوکر ساکن نظر آنے لگا تو اس امن و سکون کے شروع اور غدر ۱۸۵۷ء کے ختم ہونے کے بعد ہی مذہبی مناظروں اور مباحثوں کی مجلسیں گرم ہونی شروع ہوگئیں۔ پادری فنڈر۔ مولینا مولوی رحمت اللہ صاحب۔ مولینا محمد قاسم صاحب۔ پنڈت دیانند سرسوتی۔ اندرمن مراد آبادی وغیرہم کی آوازوں سے جو ہلکی ہلکی لہریں ہوا میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے ہندوستان کے کرۂ ہوائی کو اس طرح متحرک و متلاطم کیا کہ ہزاروں لاکھوں دلوں کے قلعے ڈھے گئے۔ دماغوں کے شیش محل مسمار و چکنا چور ہوگئے ایمانوں کے ایوانوں کی دیواریں مشتبک اور مذاہب کے جھنڈوں کے پھریرے تار تار ہوکر کوچہ ہائے امواج ہوا بن گئے۔ پچاس ساٹھ سال ہوگئے اور آج تک مذاہب کی زد و خورد کا ہنگامہ ہندوستان کے میدان میں برابر گرم ہے۔ درحقیقت یہ ہندوستان کی خوش قسمتی ہے یہاں دنیا کے ہر ایک مذہب اور ہر ایک ملت کا پیرو اور حامی موجود ہے۔ اس جنگ مذاہب میں ہر ایک مذہب کو چونکہ شرکت کا موقع حاصل ہے۔ لہٰذا مذاہب کے امتحان کا میدان ربع مسکون میں ہندوستان کے سوا دوسرا ملک نہیں ہوسکتا تھا۔ میں اس وقت مذاہب کی اس جنگِ پنجاہ سالہ پر تبصرہ لکھنے اور اس کے عواقب و نتائج بیان کرنے

نہیں بیٹھا۔ یہ کسی دوسری وسیع فرصت کا کام ہے۔ اِس وقت مجھ کو اس محاربہ مذہبی کے بعض سرداروں کو اُن کی ایک خاص غلطی یا سفیہانہ ضد کی نسبت توجہ دلانی مقصود ہے۔

اِسلام پر سب سے پہلے عیسائیوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا کہ اِسلام کی اشاعت تلوار کے ذریعہ ہوئی ہے مُسلمانوں کی طرف سے اعتراض کا فوراً معقول جواب دیا گیا۔ اُس کے بعد آریوں کو اِسلام پر حملہ آوری کی جرأت ہوئی۔ آریوں کے تمام تر اعتراضات عموماً عیسائیوں کی کاسہ لیسی کا نتیجہ ہوتے ہیں چنانچہ آریوں نے بھی اس تلوار والے اعتراض کو دہرایا مُسلمانوں نے اُن کو بھی جواب دیا مُسلمانوں کے مسکت و معقول جواب کو سُننے کے بعد انصاف و شرافت کا یہی تقاضا تھا کہ پھر یہ اعتراض زبان پر نہ لایا جاتا لیکن جذبہ مخالفت نے انصاف کے گلے پر چھری پھیر دی اور عداوت نے تہذیب کو زخمی کر دیا ہے کہ یہی ٹھُٹی چھری اور کند تلوار بار بار عرصہ پیکار میں لائی اور میدان کارزار میں استعمال کی جاتی ہے۔ آریوں یا عیسائیوں کا جو لیکچرار سر منبر جلوہ فرما ہوتا ہے وہ مُسلمانوں کے دیئے ہوئے جواب سے نا آشنا بن کر آتا اور عوام کو اپنی وہی ردشدہ باتیں سُنا سُنا کر بہکاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ راستی کسی چالاکی یا فریب کے نیچے مدامی طور پر دبی یا چھپی نہیں رہ سکتی۔ صداقت میں ایک زبردست طاقت ہے وہ انجام کار کذب باطل کے پردوں کو خود ہی چاک چاک کر دیا کرتی ہے۔ کاٹھ کی ہنڈیا بار بار نہیں چڑھتی اور کاٹھ کی تلوار میدان کارزار میں نہیں چلتی۔ میرا خیال ہے کہ مُسلمانوں کو اب اس مذکورہ مسئلہ کی نسبت زیادہ کہنے سُننے کی ضرورت نہیں لیکن اس وقت مجھ کو ایک عزیز نے مجبور کیا ہے اور کسی ہندو لیکچرار کے اسی تلوار والے اعتراض کو سُن کر اس مسئلہ کی نسبت کچھ لکھنے کیلئے بیحد و لاتعداد اصرار ہے۔ لہٰذا میں اس مسئلہ کے ایک اور پہلو پر نظر ڈالنے اور اپنے ذوق کے موافق صرف تاریخی روشنی میں اس کی حقیقت معائنہ کرانے پر آمادہ ہوں وما توفیقی الا باللہ

اکبر شاہ خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعوذ باللہ من النار و من شر الکفار و من غضب الجبار العزۃ للہ الواحد القہار و لرسولہ و للمؤمنین

مقدمہ نمبر ا

کسی قوم کو مذہب تبدیل کرانے کے مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن لوگوں کے مذہبی خیالات تبدیل کرائے جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو خوف یا لالچ کی وجہ سے اپنی ضمیر کے خلاف اپنا مذہب تبدیل کر لیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو دلائل و براہین کی طاقت سے متاثر ہو کر اپنا مذہب تبدیل کرتے اور قوم یا برادری کی ملامت و مخالفت کو ذرا خاطر میں نہیں لاتے۔

ان دونوں قسم کے لوگوں کی مختصر تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں کہ اوّل وہ جو ضمیر کی مخالفت کرتے ہیں یعنی بزدل۔ دوم وہ جو ضمیر کی مخالفت نہیں کرتے یعنی بہادر۔

اسی طرح اپنے مذہب کی اشاعت کرنے والے اور دوسروں کے مذاہب تبدیل کرانے والے لوگ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل وہ جو ڈرا دھمکا کر اور لالچ دیکر اپنا کام نکالتے ہیں۔ دوم وہ جو دلائل و براہین سے کام لیتے ہیں۔

ان میں پہلی قسم کے لوگوں کے پاس دلائل و براہین نہیں ہوتے اسی لئے ڈرانے اور لالچ دینے کو کام میں لانا پڑتا ہے۔ یہ لوگ اپنا کام صرف اسی وقت کر سکتے ہیں جبکہ ان کو طاقت و حکومت اور مال و دولت حاصل ہو۔ دوسری قسم کے لوگ ہر حالت میں

اپنا کام کر سکتے ہیں۔ دولت و حکومت کی حالت میں بھی اور افلاس و محکومی کے عالم میں بھی۔

جو لوگ دوسروں کا مذہب تبدیل کرتے اور دوسروں کو اپنے مذہب کا پیرو بناتے ہیں اُن کو عامل کہنا چاہیئے۔ جن کا مذہب تبدیل کرایا جاتا اور دوسرے مذاہب کا پیرو بنایا جاتا ہے اُن کا نام معمول رکھنا چاہیئے۔

معمول بھی دو قسم کے ہوئے اور عامل بھی دو قسم کے۔ پہلی قسم کے عاملوں کو صرف پہلی ہی قسم کے معمول میسر آسکتے ہیں یعنی دوسری قسم کے معمول پہلی قسم کے عاملوں سے ہرگز متاثر نہیں ہوسکتے۔ دوسری قسم کے عامل دونوں قسم کے معمولوں کو متاثر کرسکتے ہیں مگر زیادہ تر دوسری ہی قسم کے معمول اُن کے معمول بنتے ہیں۔

میں آج اِسلام اور دوسرے مذاہب کو واقعات کی رُو سے اسی معیار پر جانچنے کی کوشش کروں گا اور بتاؤں گا کہ اِسلام دوسری ہی قسم کا عامل ہے۔

مقدمہ نمبر ۲

باغ عالم کا پتہ پتہ اور میدان کائنات کا ہر ذرّہ شہادت پیش کر رہا ہے کہ زندگی یا حیات نام ہے جنگ اور زور آزمائی کا۔ اِنسان کا جسم خود عناصر کا ایک میدان کارزار ہے۔ عناصر کی اس جنگ کے موقوف ہوجانے ہی کا نام موت ہے۔ ہواؤں کا چلنا۔ بادلوں کا آنا اور برسنا۔ بجلی کا چمکنا۔ رعد کا گرجنا۔ نباتات کی روئیدگی۔ حیوانات کا بقا و قیام سب نتیجہ ہیں ایک کشمکش اور جنگ و پیکار کا۔ جہاں حیات یا زندگی زیادہ نمایاں ہے اور نشو و نما کا اثر زیادہ پایا جاتا ہے۔ وہاں یہ جنگ بھی زیادہ نمایاں اور زیادہ جوش و خروش سے جاری نظر آتی ہے۔ جمادات کی نسبت نباتات میں اور نباتات کی نسبت حیوانات میں یہ سلسلہ جنگ اور تنازع للبقا زیادہ پایا جاتا ہے۔ حیوانات میں انسان چونکہ اشرف ہے اور اس کو قوت ارادی بھی عطا کی گئی ہے۔ لہٰذا اس تنازع للبقا میں بھی

انسان اسی طرح ذمہ دار ہے جس طرح اپنے تمام کاموں میں دوسرے حیوانات کی نسبت اس کی ذمہ داری بڑھی ہوئی ہے۔ ایک شیر جس کو قدرت نے مضبوط جسم، زبردست دانت اور تیز پنجے عطا کئے ہیں جب اپنا پیٹ بھرنے اور اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے جنگل میں ایک بارہ سنگے کا شکار کرتا ہے تو اس پر اس کے اس فعل کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہو سکتی اور اس کو مجرموں کی فہرست میں شامل نہیں کیا جا سکتا لیکن انسان جب دوسرے انسان یا حیوان کے ساتھ اس قسم کا کوئی برتاؤ کرتا ہے۔ تو چونکہ اس کا یہ کام اس کے ارادی اور اختیاری افعال کے ایک سلسلہ کا نتیجہ ہوتا ہے لہذا کبھی وہ گنہگار قرار دیا جاتا ہے اور کبھی بیگناہ۔ مگر یہ غیر ممکن ہے کہ انسان کے افعال و اعمال میں سے اس کشمکش حیات یا تنازع للبقا کو بالکل نکال ڈالا جائے۔ اگر ایسا ممکن ہو تو پھر انسان اپنے اوج کمال سے گر کر اس انتہائی پستی میں پہنچ جائے۔ جہاں اس کو جمادات سے بھی نیچے کے درجہ پر جگہ مل سکے گی۔ ان مجمل الفاظ اور نہایت ہی مختصر اشارات کی تفصیل ایک نہایت دلچسپ اور بسیط علم ہے لیکن میں اس وقت قلتِ فرصت کے سبب مجبور ہوں کہ اپنے مخاطبوں اور اس نگارش کے پڑھنے والوں کی وسعتِ نظر اور علمی قابلیت کے متعلق حسنِ ظن سے کام لوں۔ لہذا توضیح مدعا کیلئے صرف اسی قدر تفصیل کافی سمجھتا ہوں کہ اس کارگاہِ عالم میں جہانتک کا حال معلوم ہو سکا ہے۔ کوئی ایک قوم بھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں ایسی نظر نہیں آتی جس کو اپنی حیات اور بقا کے لئے ہتھیاروں کے استعمال اور دوسروں سے زور آزمائی کا اتفاق نہ ہوا ہو اور ہنڈیاں توڑنے۔ گوشت کاٹنے۔ خون بہانے والے آلات اور اپنے قلب کی قوت (شجاعت) سے کام لینے کا موقع نہ ملا ہو۔

ہندوستان کے طبقات الارض نے پتھروں کے ہتھیار ہم کو بہم پہنچائے ہیں جن کو دیکھ کر ہم آج ان قوموں کا تصور کر سکتے ہیں جن کو حجریہ عہد کی قومیں کہا جاتا ہے۔ جدید اقوام کی ابتدا کا زمانہ بھی ہم کو لوہے کے ہتھیاروں ہی نے بتایا ہے۔ نیم تاریخی زمانہ سے لیکر

آج تک ہر قوم میں دوسروں کو قتل کرنے والے اور میدان جنگ میں کام آنے والے ہتھیار ہی زیادہ قیمتی اور قابل توجہ چیزیں نظر آتی ہیں۔ درونا چاریہ اور ارجن کی تیر کمان۔ کرشن جی کا چکر۔ راچندر جی کا ترسول۔ رستم کا گرز گاؤ سر۔ افراسیاب کی کمند عدو بند۔ داؤد علیہ السلام کی زرہ وغیرہ آلاتِ حرب اگر نیم تاریخی زمانہ کی چیزیں ہیں تو سکندر کی زرہ بکتر و مغفر۔ بہرام چوبین کا نیزہ۔ خالد کی تلوار۔ ہرقل کا خود۔ پرتھی راج کا کھانڈا۔ کھانڈے رائے کی سپر اور قطب الدین ایبک کا تیر وغیرہ آلاتِ جنگ تاریخی زمانہ کے سامان ہیں اور ہمارے زمانہ کی بندوقوں۔ توپوں۔ ہوائی جہازوں۔ آبدوز کشتیوں۔ تارپیڈوں۔ آہن پوش جہازوں۔ قلعوں۔ دمدموں۔ خندقی مورچوں وغیرہ سے تو کون ہے جو واقف نہیں۔ اسی طرح مہابھارت کی لڑائی میں کرشن جی کا ارجن کو اپنے عزیزوں، رشتہ داروں۔ دوستوں اور بزرگوں تک کے قتل کرنے پر باصرار آمادہ کرنا کیخسرو کا افراسیاب اور تورانیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنا۔ گشتاسپ کا ہندیوں کو اور اسفندیار کا زابلیوں کا پامال کرنا۔ کیانیوں کا بابل اور یونان کو۔ مصریوں کا فلسطین و شام کو تہ تیغ کرنا۔ شمالی افریقہ کا جنوبی اٹلی کو خاک سیاہ بنا دینا۔ اور مغلوں کا چینیوں کے خون کی نہریں بہا دینا اگر نیم تاریخی زمانہ کے واقعات ہیں تو یرموک۔ انگورہ۔ پانی پت۔ واٹرلو وغیرہ ہزارہا تاریخی زمانہ کی تماشا گاہیں اور ٹرنسوال۔ پورٹ آرتھر۔ ٹریپولی۔ ایڈریانوپل۔ اینٹ ورپ۔ گلیشیا۔ ڈارڈینلز۔ شمالی فرانس۔ بغداد۔ فلسطین وغیرہ ہمارے زمانہ کے تھیٹر ہیں پس حماقت ہے یہ کہنا کہ ہتھیاروں کے استعمال اور کشت و خون کے ہنگاموں اور سفکِ دم کے بدوں بھی آدم کی اولاد اس زمین پر اشرف المخلوقات بن کر رہ سکتی ہے اور نادانی ہے یہ کہنا کہ جدال و قتال اور ستیز و آویز کے بغیر بھی قومیں علمی اخلاقی تمدنی معاشرتی ترقی کرسکتی عز و افتخار اور راحت و اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتی ہیں یہ تیر و تفنگ اور اسلحہ جنگ تو اسی وقت دنیا سے معدوم ہوسکتے ہیں جبکہ موجودہ

انسانی نسل بالکل معدوم اور تخم سوختہ ہو جائے۔ موجودہ عناصر کی جگہ نئے عناصر موجود ہوں۔ موجودہ سلسلۂ نظام عالم درہم برہم ہو کر نئی قسم کی زمین۔ نئی قسم کا پانی۔ نئی قسم کی ہوا اور نئی قسم کے ایام و لیالی ظہور میں آئیں۔

اب اس کے بعد کہنے کی بات صرف اس قدر ہے کہ تلوار کے متعلق استعمال کو کسی قوم کے لئے جرم قرار دینا سراسر ابلہی اور بیوقوفی کی بات ہے۔ ہاں دیکھنا یہ ہے کہ تلوار بے موقع استعمال ہوئی ہے یا با موقع۔

جس طرح تلوار کا ظالمانہ طریقہ پر استعمال کرنا ایک جرم ہے۔ اسی طرح ظالموں کو ظلم سے روکنے کے لئے استعمال نہ کرنا بھی ایک جرم ہے۔ مَیں پھر مقدمۂ نمبر اوّل کی طرف توجہ دلانا اور اصل مضمون شروع کرتا ہوں۔

مذاہب کی عالمانہ حیثیت

استاریخی یا نیم تاریخی روایات جو مذاہب کے حالات بتلاتی ہیں اُن میں سب سے پہلے مذہب موسوی زیر توجہ آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعونیوں کو دلائل و براہین سے راہ راست پر لانا چاہا لیکن کوئی اثر مرتب نہ ہوا۔ ہر مباحثہ اور ہر مقابلہ میں فرعونیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ دلائل نے ملزم ٹھیرا کر لاجواب بنایا۔ لیکن چونکہ اُن کی فطرتیں مسخ ہو چکی تھیں اور اپنے ضمیر کی آواز نہیں سُن سکتے تھے لہذا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معمول نہ بن سکے۔ تاہم بنی اسرائیل پر اپنے تشدد اور مظالم کو ہمیشہ جاری رکھنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ چونکہ اُن کی شرارتوں اور اُن کے ضمیر کے مُردہ پن کی انتہا ہو چکی تھی لہذا خدا تعالیٰ نے غیب سے سامان مہیا فرما کر فرعون اور فرعونیوں کو ہلاک کیا۔ اور اپنے نیک و پاک بندوں کو بچایا۔ فرعونیوں کے مانند ہی مُردہ فطرت اور ظالم لوگ فلسطین و شام میں موجود تھے۔ جہاں پیروانِ موسیٰ علیہ السلام یعنی حضرت یوشع بن

نون کی رہبری و سرداری کے ماتحت بنی اسرائیل کے ذریعہ سزا دی گئی اور شام کے ہر شہر و قریہ کو ظالموں سے پاک کرنے کے لئے قدم قدم پر حضرت یوشع بن نون کو خون بہانا اور تلوار کو استعمال کرنا پڑا۔ یہ قتل و غارت جس میں شریروں کو قرار واقعی سزائیں دی گئیں عقل و انصاف کی عدالت میں جائز ہے لیکن لوگوں کو موقع مل گیا ہے کہ سیحون و عنق وغیرہ شامی اقوام کو شریعت موسوی کے سامنے گردن جھکانے پر مجبور کرنیکے فعل کو محل تامل یا ناجائز قرار دیں۔ کیونکہ جب یہودیوں کے پاس دولت و حکومت نہ رہی تو اُن کے مذہب کی اشاعت بھی بالکل رُک گئی۔

۲۔ زردشت نے جس مذہب کی بُنیاد رکھی شروع ہی سے تلوار کی نوک اور برچھی کی انّی نے اُس کو سہارا دیا۔ بوڑھا سپہ سالار رستم اوّل درجہ کا شاہ پرست تھا گشتاسپ کے ساتھ اُس نے دین زردشتی اختیار کیا اور دوسروں کو بھی زبردستی دین زردشتی میں شامل کیا۔ نوجوان شہزادہ اسفندیار نے پنجاب و کشمیر میں اُن لوگوں کے سروں کو جنہوں نے آتش پرستی سے انکار کیا اپنے گرزِ گراں سنگ سے چور چور کر کے خاک و خون میں ملایا اور بجبر و تعدی زردشت کی پیغمبری کا کلمہ پڑھوایا۔ کیانیوں کا نصف آخر اور ساسانیوں کا پورا زمانہ آتش پرستی کی اشاعت و حمایت میں گذرا۔ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ جہاں جہاں تک شاہی تلوار کی آنچ پہنچ سکتی تھی۔ وہیں وہیں تک آتش خانے گرم تھے۔ جس ملک اور جس قوم کے سر سے مجوسیوں کی تلوار کا سایہ دُور ہوا۔ اُسی ملک اور اُسی قوم سے فوراً آتش پرستی کا نور بھی کافور ہوا۔ ہندوستان کی نو آبادی کو جو ایران کے ساتھ قوی تعلقات تھے کچھ اُن کی وجہ سے کچھ بیاس و سنگراچہ کی کوششوں سے کچھ گشتاسپ اور اُس کے جانشینوں کے حملوں سے آتش پرستی ہندوستان میں بھی داخل ہوئی اور آج تک ہندوؤں کے مذہب کا جزو بنی ہوئی حقیقت مذکورہ کو روشن کر رہی ہے۔

۳۔ بُدھ مذہب کا حال جہانتک تاریخوں سے معلوم ہوسکا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے

کہ اس مذہب کو اپنی اشاعت میں تلوار سے بہت ہی کم کام لینا پڑا ہے۔ اشوک کنشک کے زمانہ میں علمی مجالس کا تو حال معلوم ہوتا ہے لیکن تلواروں کی چمک صفحات تاریخ پر بہت ہی کم نظر آتی ہے۔ ہاں چندر گپت کی سلطنت کا عظیم الشان ایوان تیار کرنے میں انسانوں کا خون بجائے پانی ضرور استعمال کیا گیا ہے۔ مگر چندر گپت کی سلطنت بدھ مذہب کی سلطنت نہ تھی چندر گپت کو پادشاہ بنانے اور بدھ مذہب کے مذہبی پادشاہ مہانند کے خاندان کو تباہ کرنے کا باعث برہمن ہی تھے۔ اسی لئے چندر گپت کے زمانہ میں برہمنی مذہب کے ماننے والوں کو بہت کچھ سیاسی اہمیت حاصل ہو گئی تھی چندر گپت کی سلطنت برہمنی مذہب اور بدھ مذہب دونوں کی مرکب سلطنت تھی۔ تبت چین۔ سیام۔ جاپان اور دوسرے جزائر میں بدھ مذہب بڑی آسانی سے جاری ہو سکا جبکہ ہندوستان سے جلاوطن کئے ہوئے بدھ لوگوں نے ان ملکوں میں پہنچکر اپنے مذہب کی اشاعت شروع کی۔

۴۔ آریوں نے غیر آریوں اور ان کے مذہب کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا اندازہ بڑی آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ غیر آریوں نے جو قتل ہونے سے بچ سکے اپنے آپ کو بچانے کے لئے سرسبز میدانوں اور شاداب دوابوں کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں اور ریگستانوں میں پناہ لی تھی چنانچہ آج تک ایسے ہی مقامات میں غیر آریوں کی نسلیں پائی جاتی ہیں۔ بھیل۔ گونڈ۔ کول۔ سنتال وغیرہ کے مساکن آریوں کی سفاکانہ کارروائی کی زبردست اور زندہ شہادت پیش کر رہے ہیں۔ آریوں نے غیر آریوں پر کیسے کیسے مظالم روا رکھے اور کس طرح ان کو ذلیل و حقیر ٹھیرا کر انسانوں کے گروہ سے خارج کر کے چوپایوں کے مرتبہ پر پہنچانے کی کوشش کی اس کا ثبوت وید وں اور منوسمرتی وغیرہ میں بھی بخوبی موجود ہے۔

آریوں کی حکومت و دولت جب کمزور ہو کر معرض خطر میں آ گئی اور وہ غیر مذہب والوں پر تشدد و بے جا روا رکھنے کے قابل نہ رہے تو مریدانِ گوتم بدھ کے وعظ و پند سے

متاثر ہو کر لوگ ہندو یا آریہ مذہب کو چھوڑنے اور بدھ مذہب کو اختیار کرنے لگے حتیٰ کہ قریباً تمام ملک ہندوستان ہندوؤں کے مذہب کو خیرباد کہکر بدھ مذہب کا پیرو بن گیا۔ بدھ مذہب کی انصاف پسندی اور درگذر کا نتیجہ تھا کہ جہاں جہاں تھوڑے بہت آریہ مذہب کے ماننے والے رہ گئے بدھوں نے اُن کے حال اور جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا اور اُن کو تمام تمدنی و معاشرتی حقوق حاصل رہے جب بدھوں کی سلطنت کمزور ہو گئی اور آریہ یا ویدک مذہب برہمنی مذہب کی شکل میں پھر برسرِ اقتدار ہوا اور بعض راجاؤں کی حمایت اُس کو حاصل ہو گئی تو حکومت و سلطنت کے ذریعہ اس مذہب نے بودھوں پر اپنا وہی عمل شروع کیا جو غیر آریوں کے ساتھ کام میں لایا گیا تھا۔ بدھوں میں سے کچھ لوگ برہمنی مذہب میں پھر جاذب ہو گئے اور قسمِ اوّل کے معمول ٹھیرے۔ کچھ تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے یا آریہ ورت (ہندوستان) سے جلاوطن ہونے پر مجبور کئے گئے۔ چنانچہ آج اُس عظیم الشان بدھ مذہب کا جو ہندوستان میں پیدا ہوا کوئی پیرو ہندوستان کی حدود میں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ چین و جاپان و برہما وغیرہ میں ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اِس ملک میں کسی بدھ مذہب کے پیرو کا موجود نہ ہونا اِس بات کا تصوّر آسانی سے کرا دیتا ہے کہ وہ قتل و جلاوطنی کے نظارے عظیم الشان ہونگے جبکہ شنکر اچارج کے حامی راجاؤں کی افواج اِس ملک کو بدھوں سے پاک کر رہی تھیں۔ یہ ایک حُسنِ اتفاق ہے کہ شاہ آباد و کٹارپور وغیرہ کے واقعات اِس زمانہ میں رونما ہو کر راسخ العقیدت اور بہادر بدھوں کے قتل و جلاوطنی کا تصوّر کرنے میں بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں ؎

رسید نہائے منقار ہما بر استخواں غالب
پس از عمرے بیادم داد رسم و راہِ پیکاں را

۵۔ عیسائی مذہب جس ملک میں پیدا ہوا وہاں بذریعہ دلائل و براہین اُس کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی حضرت عیسٰی علیہ السلام چند معمولی طبقہ کے آدمیوں کے سوا

کسی کو اپنا پیرو نہ بنا سکے اُن کے بعد بھی جبتک رومن امپائر کے مشرقی حصے کا فرمانروا عیسائیت کا حامی نہ بنا اور یونانی و رومی دیوتاؤں کے پرستاروں کا خون آبِ شمشیر سے آمیختہ نہ ہوا۔ عیسائیت کی اشاعت نہ ہو سکی مصر و یونان و اٹلی وغیرہ میں عیسوی مذہب کو بُت پرستی کا مقابلہ کرنا پڑا اور ظاہر ہے کہ اگر دلائل و براہین سے مقابلہ کیا جائے تو بُت پرستی کسی ایسے مذہب کے مقابلہ نہیں جو اپنے اندر کچھ نہ کچھ رُوحانی اور اخلاقی نظام رکھتا ہو ہرگز دیر تک نہیں ٹھیر سکتی۔ اور اسی لئے عیسائیت کا ان ممالک میں اشاعت پانا یقینی تھا۔ تاہم عیسائیت شاہی علم کے نیچے اور تلواروں کے سایہ میں استہ طے کرتی ہوئی اِن مُلکوں میں پہنچی۔ حیرت ہوتی ہے کہ یورپ کے وسطی اور شمالی مُلکوں میں بھی عیسائیت کے آگے خُون کا سیلاب رہبری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ افریقہ اور یورپ میں عیسائیت کو عموماً بُت پرستی سے واسطہ پڑا اور وہ کامیاب ہوئی لیکن آتش پرستی پر وہ کوئی اثر نہ ڈال سکی۔ تلوار کے ذریعہ ایک مرتبہ ساسانی دار السلطنت تک عیسائی پہنچے لیکن ایران میں کسی کو عیسائی نہ بنا سکے۔ شام اور اسپین میں عیسائیوں نے اسلام کو تلوار کے ذریعہ اپنا معمول بنانا چاہا۔ تلوار کے بادلوں سے خون کی موسلادھار بارشیں ہوئیں لیکن دونوں جگہ عیسائی ناکام رہے۔ یعنی اسپین میں مُسلمانوں کا اکثر حصہ قتل ہوا۔ بقیۃ السیف جلا وطن ہو گئے مگر دین عیسوی میں داخل نہ ہوئے۔ مُلک شام میں عیسائیوں کا سیلاب مُسلمانوں سے ٹکرا کر اس طرح واپس ہوا جیسے کسی پہاڑ سے ٹکرا کر دریا کی موج واپس ہوتی ہے مُسلمانوں کے ایک مشہور پہاڑ کا نام ساری دُنیا جانتی ہے کہ صلاح الدین ایوبی تھا جس کے مقابل بڑے بڑے شیر دل بے بس ہو کر رہ گئے۔ اسپین و شام دونوں جگہ اسلام کو عیسائیت اپنا معمول نہ بنا سکی۔ موجودہ زمانہ میں عیسائیوں نے لالچ کو زیادہ تر آلہ کار بنا رکھا ہے مگر وہ اُن لوگوں کو جن کا نام ہم نے دُوسری قسم کے معمول رکھا ہے اپنا معمول بنانے میں سراسر ناکام رہے مثلاً ہندوستان ہی میں دیکھ لو۔ چمار بھنگی سانسئے۔ نٹ وغیرہ ادنیٰ طبقہ کی

قوموں میں عیسائیت زیادہ سرایت کر سکی ہے۔ ہندو اور مسلمان شرفا میں عیسائیت کا باوجود اس قدر سخت اور باقاعدہ کوششوں کے کوئی نمایاں اثر محسوس نہیں ہوا۔ شریف و بہادر راجپوت صحیح النسب اور صاحب عزت سیدوں پٹھانوں اور مغلوں کے خاندان باوجود افلاس و تنگدستی کے عیسائیت کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔

مذاہب کی معمولہ حیثیت

ا۔یہودیوں کو میدیان والوں یعنی مہ آبادیوں نے اپنا معمول بنانا چاہا مگر سراسر ناکام رہے۔ کیخسرو نے بابلیوں کی قید سے یہودیوں کو آزاد کرانے میں مدد دی لیکن ایرانی اپنے مذہب میں جذب نہ کر سکے۔ بخت نصر کی سفاکیوں نے یہودیوں کو مشرک بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اور قتل و جلا وطنی کے بڑے بڑے مہیب و زہرہ گداز مناظر دنیا میں ظہور پذیر ہوئے لیکن یہودیوں کے مذہب و عقیدہ کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکا عیسائیت نے بھی اپنی پوری کوشش دلائل و براہین اور شمشیر و تیر کے ذریعہ یہودیوں کو اپنا معمول بنانے میں صرف کی لیکن یہودیت متاثر نہ ہو سکی۔ بالآخر اسلام نے یہودیوں کے اکثر حصہ کو جو عرب و شام وغیرہ میں تھے اپنے اندر جذب کر لیا۔ وہ مذہب جو ایرانیوں۔ بابلیوں اور عیسائیوں کی بے پناہ تلواروں کے مقابلہ میں اپنی استقامت واستواری کو کامیابی کے ساتھ قائم رکھ سکا تھا اسلام کے مقابلہ میں اس کو خود بخود گردن جھکا دینی پڑی اور بہت سے یہودی خود بخود اسلام میں داخل ہو گئے جو باقی رہے اُن کو مسلمانوں نے کبھی نہ چاہا کہ تلوار کا مزہ چکھا کر اسلام کے ذائقہ سے۔ لذت آشنا کریں۔ افغانستان و بلوچستان و کشمیر میں سکونت رکھنے والے یہودیوں کو مسلمان بنانے کے لئے بھی قطعاً کوئی تلوار میان سے نہیں نکالنی پڑی۔ اسلام کی دلربا خوبیوں نے ان بہادر یہودیوں کو اسلام کا خادم اور حلقہ بگوش بنا دیا جہاں

جہاں اسلام اور یہودیت کا عاملانہ اور معمولانہ حیثیت سے تعلق ہوا یہودیت اسلامی روشنی سے متاثر ہوئے بدوں نہ رہ سکی لیکن اس کے خلاف عیسائیت ناکام نظر آتی ہے۔ عیسائیوں نے یہودیوں کے مجبور کرنے میں کمی نہیں کی۔ اس زمانہ میں بھی یورپ کی اکثر عیسائی حکومتوں نے یہودیوں کو جلاوطنی کے مصائب میں مبتلا رکھنا جائز رکھا اور ان کے ساتھ عموماً غیر ہمدردانہ طرز عمل اختیار کیا گیا۔ مگر یہودیوں نے سب کچھ سہا لیکن عیسائیت میں جذب نہ ہو سکے۔

۲۔ آتش پرستوں پر ان کے مذہب کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مستاصل کرنے کیلئے سب سے پہلے خاقان چین کا حملہ ہوا جس میں بوڑھا عزلت گزین پادشاہ لہراسپ مارا گیا اور خود بانئ مذہب وخشور زردشت کو بھی سفر آخرت پیش آیا۔ مگر یہ ایک بگولہ تھا کہ آیا اور گذر گیا۔ دین زردشتی کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ پھر یونانی آندھی آئی اور اپنے ساتھ وہ فولادی رنگ گھنگھور گھٹا لائی جو مصر و ایشیائے کوچک سے لیکر ہندوستان تک چھائی۔ اس آندھی نے دارائے کیانی کے تخت کو دنیا کے تختہ سے اڑایا اور اس شمشیر بار گھٹا نے ایران کے آتش خانوں پر اس طرح خون کا مینہ برسایا۔ کہ سکندر کے بعد جب ساسانیوں کو سانس آیا تو انہوں نے ژند و اُستا کے صرف چند خون آلود اور دریدہ اوراق کے سوا آتش پرستی کا کوئی سامان نہ پایا۔ مگر دنیا حیران ہے کہ سپہر گردندہ کو اسکندری ابر تیرہ سے مطلع صاف ہوتے ہی زمین ایران پر یونانیوں کا کوئی نشان نام کو بھی نظر نہ آیا تھی تو وہی آتش پرستی اور تھا تو وہی مذہب زردشتی۔

اس کے بعد سعد بن وقاص رضؓ کے زیر ایالت اسلامی لشکر حدود ایران پر آیا اور توحید کا جھنڈا دارالسلطنت ایران پر لہرایا۔ حدود ایران کے اندر مسلمانوں نے اختلاف مذہب کی وجہ سے مغلوب مجوسیوں کے خون کا کوئی دریا نہیں بہایا۔ بلکہ رفق و مدارات۔ اسلامی شائستگی اور شفقت و رافت کا وہ نمونہ دکھایا کہ آتش پرستی خود بخود

خدا پرستی میں جذب ہوگئی اور آج مجوسیوں کی اولاد کو اگر آتش پرستوں کی طرف نسبت کیا جائے تو وہ اس کو گالی سے بدتر تصور کرتے اور اسلام کے نام پر اپنی جانیں قربان کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ لہٰذا یہودیوں کی طرح آتش پرستوں کو بھی دوسری ہی قسم کے معمولوں میں شامل کرنا چاہئے۔

۳۔ بودھ مذہب کو برہمنی مذہب نے اپنا معمول بنانا چاہا اور اُس نے خوف و لالچ اور دلائل و براہین دونوں سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بودھوں کا ایک حصہ برہمنی مذہب میں داخل ہوا اور دوسرا حصہ جو دلائل و براہین سے تسکین نہ پاسکا اور خوف و لالچ سے متاثر نہیں ہوسکا یا قتل ہوا یا جلاوطن ہوکر چین و جاپان و سیام و برہما و تبت وغیرہ میں پہنچ کر اپنے مذہب کی اشاعت میں کامیاب ہوا۔ انہیں بودھوں پر جب اسلام کی ایک ہلکی سی کرن پڑی یعنی چین و سیام اور جزائر کے بودھوں میں چند اسلامی مناد پہنچے تو وہاں کے بودھوں نے بخوشی اسلام کے سامنے اپنی گردنیں جھکادیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم آج چین میں مسلمانوں کی قریباً اتنی ہی تعداد دیکھتے ہیں جس قدر کہ ہندوستان میں موجود ہیں۔ جزیرہ نما ملایا۔ جاوا۔ سماٹرا فلپائن وغیرہ جزائر کے تمام بدھ بھی بلا جبر و اکراہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

۴۔ آریہ ہندو مذہب کا جب بدھ مذہب سے دلائل و براہین کے ذریعہ مقابلہ ہوا تو وہ ہرگز قائم نہ رہ سکا اور بدھ مذہب میں بڑی آسانی سے جذب ہوگیا۔ یونانی صنام پرست تلوار لے کر ہندوستان میں آئے اور آندھی کی مانند آگ بگولے کی طرح نکل گئے لیکن اُن کی اصنام پرستی کا اثر اس مذہب نے قبول کیا۔ ایرانیوں کی آتش پرستی بیاس اسفندیار۔ گشتاسپ کے ذریعہ آئی اور اس مذہب کا جزو بن گئی۔ ستارہ پرستی کا اثر بھی اس مذہب میں آتش پرستی کے اثر سے پہلے آبادی ایرانیوں کے ذریعہ داخل ہوچکا تھا نوشیرواں کے زمانہ میں ایرانی ہندوستان میں پھر فاتحانہ داخل ہوئے اور ہندوؤں کا

مذہب اس مرتبہ بھی ان فاتحین کا اثر قبول کئے بدون نہ رہا چنانچہ نوشیروان کے مُرشد یعنی مزوک کے مسلک کا اثر ساکت مدت کی شکل میں آج بھی ہندوستان کے ہندوؤں میں موجود ہے۔

جب مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی تو شریعت اسلام کی اشاعت کرنے والوں کو اس ملک میں بھی تبلیغ اسلام کا موقع ملا۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، کہ مسلمانوں نے حکومت کا خوف دلا کر اور مال و دولت کا لالچ دے کر ہندوؤں کو مسلمان نہیں بنایا۔ تاریخ کا کوئی صفحہ اس بات کی شہادت پیش نہیں کرسکتا کہ کسی ہندو کو کسی مسلمان بادشاہ نے اس لئے قتل یا قید کیا ہو کہ وہ مذہب اسلام قبول کرنے سے انکار کرتا تھا۔ سلطنت اسلامی کی طرف سے ہندوستان میں کسی وقت بھی قطعاً کوئی کوشش ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لئے نہیں کیگئی۔ ہاں مسلمانوں کے علماء اور صوفی لوگ اپنے وعظ و تبلیغ سے ہندوؤں کو اسلام سے آشنا کرتے رہے اور اپنی ضمیر کی موافق کام کرنے والے زندہ دل اور بہادر ہندو اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ چنانچہ آج جس کا جی چاہے تمام نو مسلم خاندانوں کے تاریخی حالات کو تحقیق کرے۔ ہر خاندان کی نسبت یہی ثابت ہوگا کہ اُس کا مورث فلاں درویش۔ فلاں صوفی یا فلاں عالم کے فیض صحبت سے مسلمان ہوا تھا۔ ایسا کوئی نو مسلم خاندان نہ ملے گا جس کی نسبت ثابت کیا جاسکے کہ اُس کے مورث کو کسی مسلمان بادشاہ یا مسلمان سپہ سالار نے قتل و غارت کی دھمکی دے کر مسلمان کیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے تبلیغ اسلام کی طرف سے ایسی بے پروائی برتی کہ انہوں نے معقولی رنگ میں بھی کسی ہندو کو اسلام کی طرف بلانا نہ چاہا۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے عہد میں کوئی دربار اور کوئی سرکار نہیں جو ہندوؤں سے خالی ہو۔ مگر ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ کسی مسلمان بادشاہ نے اپنے ہندو مصاحب یا ہندو اہلکار یا ہندو سردار کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب

دی ہو۔ ہندوستان میں جس قدر ہندو مسلمان ہوئے یا تو خود بخود اسلام کی خوبیوں سے واقف ہو کر مسلمان ہوئے یا مسلمان درویشوں نے اُن کو اسلام کی طرف توجہ دلا کر مسلمان کیا۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ نومسلموں میں سب سے زیادہ ہندوؤں کی بہادر قومیں مثلاً راجپوت وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ برہمن، بنئے اور اسی قسم کی غیر جنگجو قومیں بہت ہی کم مسلمان ہوئیں۔ آخر اس کی بھی کوئی وجہ تلاش کرنی چاہیئے۔ کہ ہندوؤں کی بہادر اور غیرت دار قومیں ہی سب سے زیادہ اسلام میں کیوں داخل ہوئیں؟

بات یہ ہے کہ ایک بہادر انسان پر جب حق بات منکشف ہو جاتی ہے تو وہ اُس حق کی حمایت اور اُس کے تسلیم کرنے کے لئے فوراً آمادہ ہو جاتا ہے اور کسی رسم رواج اور برادری کی مطلق پرواہ نہیں کرتا لیکن ضعیف القلب سے یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ حق کے لئے برادری کی مخالفت کر لیگا۔

وہ قومیں جو بہادر نہ تھیں یا دُنیا پرستی کے لئے شہرت رکھتی تھیں اسلام میں بہت ہی کم داخل ہوئیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر اسلام کی اشاعت اس ملک میں تلوار اور مال کے ذریعہ کی جاتی تو نتیجہ بالکل برعکس ہوتا۔ یعنی راجپوت نومسلم سب سے کم نظر آتے۔ اور دُوسری قوموں کے نومسلم زیادہ ہوتے۔ غرضیکہ ہندوؤں کا مذہب ہمیشہ دونوں قسم کے عاملوں کا معمول بآسانی بن سکتا ہے اور ہندوستان کی آب و ہوا نے جس طرح ہمیشہ دُوسری قوموں کے سامنے ہندوؤں کی گردنیں جھکائی ہیں۔ اسی طرح دُوسرے مذاہب کا اثر بھی ہندو مذہب پر غالب آتا رہا ہے مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنے مذہب کی اشاعت کیلئے کبھی تلوار استعمال نہیں کی جیسا کہ دُوسرے ملکوں میں بھی اُنہوں نے اختلاف مذہب کے سبب کسی کو نہیں ستایا۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اُنہوں نے ہندوستان میں دلائل و براہین کے ذریعہ بھی اپنے مذہب کے شائع ہونے کی ویسی خواہش نہیں کی جیسی کہ اُن کو ہونی چاہیئے تھی۔ بلکہ انہوں نے

ہندوؤں کے مذہب کو خود بخود اسلام میں جذب اور فنا ہوتے ہوئے دیکھ کر اُس کے بچانے اور باقی رکھنے کی کوششیں شروع کر دیں اور اُنہیں کی احمقانہ کوششوں کا (جو دورِ مغلیہ میں بڑے زور شور سے جاری ہوئیں) یہ نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان میں اتنی بڑی تعداد ہندوؤں کی موجود ہے اور وہ خود اسلام میں اس طرح جذب اور فنا نہیں ہو سکے جس طرح یہودی و قبطی و مجوسی و عیسائی وغیرہ عرب و مصر و ایران و شام میں اسلام کے اندر جذب و فنا ہو گئے۔

۵۔ عیسائی مذہب کے بانی علیہ السلام پر یہودیوں نے جو ظلم و ستم روا رکھا وہ عالم آشکار ہے۔ اگرچہ خود حواریین میں سے ایک صاحب کو لالچ سے اور دوسرے کو خوف سے متاثر ہونا پڑا لیکن یہودی مذہب بہیئت مجموعی عیسائیت کو اپنا معمول نہیں بنا سکا۔ روما اور یونان والوں کی بت پرستی نے بھی عیسائی مذہب کو اپنا معمول بنانے میں چیرہ دستی دکھائی لیکن عیسائیت کے مقابلہ میں انجام کار وہ خود ہی مغلوب و معمول بن گئی لیکن جب عیسائیت کو شام و مصر وغیرہ میں اسلام سے واسطہ پڑا تو وہ اسلام کے مقابلہ میں قائم نہ رہ سکی۔ جس جگہ اسلامی اثر پہنچا عیسائیت پگھلتی ہوئی نظر آئی جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے۔ چنانچہ عرب، فلسطین، شام، ایشیائے کوچک، مصر، طرابلس وغیرہ ممالک کی اسلام کی یکلخت قبولیت اس کی شاہد ہے۔

اسلام کی عاملانہ حالت

جبکہ دُنیا میں نسل انسانی اپنی بہیمی و انتقامی منزلیں طے کر رہی اور جہالت و وحشت کے تاریک پردوں کو چاک کرتی۔ خاک و خون میں لتھڑی گرتی پڑتی اُٹھتی سنبھلتی۔ کمانیں کھینچے، تلواریں نکالے، نیزے تولے۔ شراب کے پیالے چڑھائے، پتھروں کی مورتیوں کے آگے سر دبائے۔ کبھی خدائے واحد لاشریک کی حمد و ثنا میں مست و سرشار ادراسی سے لو لگائے

کبھی دریاؤں، پہاڑوں، درختوں، چوپایوں اور سانپوں تک کو معبود بنائے اور ان سب کے آگے گردنیں جھکائے۔ کبھی شجاعت میں شیروں کو مات کرتی اور کبھی گیدڑوں سے ڈرتی اور چوہوں سے کان کترواتی ہوئی اُس مقام تک پہنچ گئی جہاں سے آگے چلنے اور انتہائی عروج و ترقی کی منزلیں طے کرنے میں ضرورت تھی کہ آفتاب کی روشنی اُس کی بصارت کو حقیقتِ اشیائے کے مشاہدہ کا موقع دے اور ایک ایسی شاہراہ بلجائے جس میں ٹھوکریں کھانے۔ ڈاکوؤں کے ہاتھوں لُٹنے اور بے راہ روی و دوریِ منزل کے مصائب سے نجات پائے اور انسان اپنے مقصدِ اعظم یعنی خدارسی و خدادانی و راحتِ جاودانی کے حصول میں بآسانی کامیاب ہو سکے۔ تو خدائے برتر و توانا نے نسلِ انسانی کے اِس استحقاق کا لحاظ فرما کر ملکِ عرب میں جو کہ نسلِ انسانی کی تمام گذشتہ منزلوں اور انسانی فطرت کی تمام لذتوں اور رغبتوں کے نمونے اپنے اندر رکھتا تھا ایک چشمۂ نور و ہدایت پیدا اور ایک آفتابِ رسالت طلوع کیا تاکہ وہ ہر انسانی کمزوری اصلاح اور فطرتِ انسانی کی ہر پستی و ذلت اور ہر ایک کجراہی و گمراہی کا علاج ہو کر کامل ہادی کامل مصلح، کامل اُستاد۔ کامل معالج بن سکے اور نسلِ انسانی کو وہ شاہراہ مستقیم مل سکے جس پر گامزن ہو کر وہ خطراتِ راہ سے محفوظ و مامون اپنی منزل پر بآسانی پہنچے اور حصولِ مُراد میں ناکام نہ رہکر فلاحِ تام حاصل کر سکے۔ اس آفتابِ رسالت اور اس ہادیِ کامل کا نام ہے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم۔ اور قرآن کریم نام ہے اُس کامل ہدایت نامہ، اُس کامل دستور العمل، اُس کامل نور و روشنی کا جس کو یہ رسولِ ربّ العالمین رحمۃ للعالمین خدائے تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا جس میں کوئی ریب یعنی کوئی ہلاکت اور کوئی فریب نہیں۔ اس سرورِ انبیا اور رسولِ مجتبیٰ نے لوگوں کو بتایا کہ تم انسان اور اشرف المخلوقات ہو۔ جمادات، نباتات، حیوانات اور اجرامِ سماوی بھی تمہارے سب خدمتگار ہیں۔ پھر بھلا پتھر۔ درخت۔ دریا۔ آگ۔ پانی۔ چوپائے،

چاند، سورج اور ستارے تمہارے مخدوم اور معبود کیسے بن سکتے ہیں۔ اس نے انسان کو اس ذلت و رذالت سے کہ وہ بادشاہ ہو کر اپنے غلاموں کے آگے سجدہ کرتا تھا بچایا اور معبود حقیقی تک پہنچنے کا راستہ بتا کر بہائم صفت انسانوں کو انسان بنایا اور اخلاق و تہذیب کا ایک ایک گر سکھا کر اور خود اپنا نمونہ دکھا کر تحت الثریٰ ذلت میں گرے ہوئے انسانوں کو اوج عزت و کمال پر پہنچایا۔ ایک نادان بچہ اپنے استاد کی درستی کو اپنا دشمن سمجھتا اور ایک احمق مریض اپنے معالج ڈاکٹر کے نشتر کو دشمن کا خنجر یقین کرتا ہے لیکن ماں، باپ، استاد اور شفیق جراح اپنے کام سے باز نہیں رہ سکتے کیونکہ نادان بچے اور بیوقوف مریض کی فلاح و بہبود زجر و توبیخ اور نشتر کے استعمال ہی میں مضمر ہوتی ہے۔ عرب کے جہالت پناہ لوگوں نے جو ہر قسم کے اخلاق فاضلہ سے عاری تھے۔ نوع انسان کے اس کامل ہمدرد کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک اپنا تمام زور لگا دیا۔ تیرہ سال تک اس رحمۃ للعالمین اور اس کے فیض صحبت سے اثر یافتہ مسلمانوں کی قلیل جماعت نے وہ وہ مصائب اور وہ وہ صعوبتیں ان وحشی درندوں کے ہاتھ سے سہیں کہ جن کے تصور سے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہوتے اور دل بیٹھے جاتے ہیں۔ وہ کیسے ظالم لوگ تھے کہ جن کے مظالم کی حکایات پڑھنے سے آج پتھر کے دل بھی آب آب ہوئے جاتے اور سنگدلوں کے کلیجے بھی منہ کو آتے ہیں۔ مگر ان ستم گروں کے لیے یہ تمام ظلم و ستم دل لگی کا سامان اور خوش ہو ہو کر دیکھنے کا تماشا تھا۔ آج کسی بڑے سے بڑے ڈاکو کسی بڑے سے بڑے قاتل کسی بڑے سے بڑے مردم کش مجرم کو کسی میدان میں اس طرح سزا دو کہ اس کی ایک ٹانگ ایک اونٹ کے پاؤں سے باندھو۔ دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے، پھر دونوں اونٹوں کو متخالف سمتوں میں دوڑا دو کہ اس مجرم کے بیچ میں سے شق ہو کر دو ٹکڑے ہو جائیں۔ اس نظارہ کو دیکھنے کے لیے بڑے بڑے قوی القلب لوگوں کو جمع کرو پھر دیکھو کہ وہ اس تماشے کے دیکھنے کی تاب لا سکتے ہیں یا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ

سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے شاہ آباد اور کٹار پور میں اپنے ہاتھوں سے معصوم بچوں اور بیگناہ عورتوں کو اُن کی آہ و زاری پر التفات کئے بدوں قتل کیا اور بیکس ضعیف بوڑھوں عورتوں اور بچوں کو جلتی ہوئی آگ میں دھکیل دھکیل کر ڈالا اور اپنے سامنے اُن کو آگ میں تڑپتے۔ اُن کو گوشت و پوست اور چربی کو جلتے اور اُن کی ہڈیوں کو مشعل کی طرح جل کر کوئلہ ہوتے ہوئے خوش ہو ہو کر دیکھا اور کوئی شخص دیکھنے کی تاب نہ لا سکے گا۔

عرب کے درندہ خو بت پرستوں نے ضعیف مسلمانوں کو یہ اور اس سے بھی بڑھ کر وحشیانہ سزائیں صرف اس لئے دیں کہ مسلمان اُس واحد لاشریک خدا کی پرستش کیوں کرتے تھے۔ جو حقیقتاً سب کا خالق۔ مالک۔ رازق اور معبود ہے اور پتھر کی مورتوں کے آگے سر جھکا کر انسانی شرافت کے ماتھے پر رزالت کا ٹیکہ کیوں نہیں لگاتے تھے۔ معصوم بچوں کا صرف اس لئے چورنگ اُڑایا گیا کہ اُن کے ماں باپ نے خدا کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔ گالیاں دینی۔ پتھر مار کر لہولہان کر دینا جلتی ہوئی ریت پر لٹانا۔ سینے پر بھاری پتھر رکھ کر تمام دن گرم زمین پر دھوپ میں ڈالے رکھنا نکیل ڈال کر دن بھر ساری بستی میں تشہیر کرنا۔ کوڑوں سے جسم کی کھال اُدھیڑنا اُن ظالموں کی معمولی باتیں اور روزمرہ کے دلچسپ تماشے تھے جو بیکس مسلمانوں کے ساتھ کئے جاتے تھے۔

اِن رُوح فرسا اور جانگداز مظالم و مصائب کو مسلمانوں کی بیگناہ پاک اور قلیل جماعت نے جس صبر و استقامت اور تحمّل کے ساتھ تیرہ برس تک برداشت کیا اُس کی نظیر دُنیا میں کوئی شخص ہرگز ہرگز پیش نہیں کر سکتا۔ جبکہ ظالموں نے اپنے ان ہلاکت آفرین اور ستم پرور تماشوں سے خود ہی تھک کر یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ اُس چشمۂ نور و ہدایت کو بالکل معدوم اور مشعل خداپرستی و خداشناسی کو گُل کر دیا جائے تو مجبوراً رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلّم نے مکّہ سے نکل کر ایک ایسے شہر پناہ میں اپنا اور اپنی جماعت کا قیام مناسب سمجھا جہاں خدا کا نام لینے والوں کی

جانیں محفوظ ہیں لیکن اِن پتھر کے پجاریوں اور بتوں کے آگے ڈنڈوت کرنیوالوں نے مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور بار بار بڑی بڑی بُت پرست فوجوں نے اِن مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے ناپید کرنے کے لیے چڑھائیاں کیں جن کا جرم سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ وہ خدا کی بندگی بجالاتے اور بتوں اِن باطل سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ اوعقل و دانائی کے دعویدارو! اور اوتھوڑا سا بھی عدل و انصاف کا مادہ رکھنے والو! اگر تم صحیح العقل اور منصف مزاج انسان ہو اور وہ حیوان ہو جس کو ناطق کہا جاتا ہے تو بولو کہ کیا عفو و درگذر اور صبر و تحمل کے امتحان کی ابھی اور بھی ضرورت باقی رہ گئی تھی اور کیا اس کے بعد بھی ان درندوں کو جو اسلام کی تعلیم لوگوں کے کانوں تک پہنچنے میں ہارج تھے راستہ سے ہٹانے اور اپنی جان کے بچانے میں تلوار کا استعمال کرنا کوئی جرم تھا؟ ان درندوں کی درندگی دور ہوتے ہی کلمۂ حق کی آواز بآسانی لوگوں کے کانوں تک پہنچی اور یکلخت تمام عرب جو مجموعۂ رذائل بنا ہوا تھا اس آواز کو لبیک کہنے کے بعد یکایک منبع فضائل بن گیا۔ صرف چند ہی روز کے اندر تمام برِّ اعظم عرب کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام کا حلقہ بگوش بن جانا۔ دنیا کی تاریخ کا ایک لانظیر اور عدیم المثال واقعہ ہے۔ عرب کے آزاد منش اور جنگجو لوگوں کے دلوں کو اسلام کا حیرت انگیز طور پر منوّر کر دینا اور اس میں کسی جبر و اکراہ کا دخل نہ ہونا اس طرح بھی ثابت ہے کہ وہی باشندگانِ عرب جو اسلام کی روشنی حاصل کرنے سے پہلے مسلمانوں کے جانی دشمن تھے دوسرے وقت اسلام کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کرتے اور اپنی گردنیں کٹواتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اسلام ایک ہدایت و رحمت و نور کا چشمہ تھا جب اِس چشمہ سے خارقِ عادت طور پر تمام عرب یکایک منوّر و سیراب ہو گیا تو اُس زمانہ کی دونوں سب سے بڑی سلطنتوں یعنی ایران و روم نے جو شمال و مشرق اور شمال و مغرب میں عرب کی سرحد تک پھیلی

ہوئی تھیں اپنی بے بصیرتی اور کور چشمی سے اسلام کے نور کو نار اور اسلام کی رحمت کو اپنے لئے زحمت سمجھا۔

ہرقل نے اپنے شاہی وائسرائے کے ذریعہ شام و عرب کی سرحد پر فوجیں جمع کرانی شروع کیں کہ مسلمانوں کا استیصال کیا جائے۔ اُدھر کسرائے ایران نے عراقِ عرب کی طرف اپنا لشکر بڑھایا کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ کیا اس حالت میں کہ دنیا کی دو سب سے بڑی سلطنتیں اپنی پوری طاقتوں کے ساتھ بے ساز و سامان اور مفلس عربوں کو پیس ڈالنے پر آمادہ تھیں کسی صاحب عقل کا یہ مشورہ ہو سکتا تھا اور بصیرت و دانائی یہ حکم دے سکتی تھی کہ دنیا میں توحید کا علم بلند کرنیوالی صرف ایک ہی قوم جو تمام دنیا کو شرک و بت پرستی سے آزاد کر کے خدا پرستی کی جانب مائل کرنے اور ہر قسم کے اخلاقِ فاضلہ سے متصف کر کے نسلِ انسانی کو اُس کے اعلیٰ مقام شرافت تک پہنچانے کا واحد ذریعہ تھی چکی کے اِن دونوں پاٹوں کے درمیان پس جائے یعنی ایرانی اور رومی فوجوں کے ہاتھوں خوشی کے ساتھ قتل ہو جائے اور اپنی حفاظت اور قیام و بقا کے لئے کہ اسی میں دنیا بھر کے انسانوں کی اخلاقی و روحانی زندگی مضمر تھی مطلق ہاتھ نہ ہلائے۔ ظاہر ہے کہ کسی عقل اور کسی عدل سے یہ فیصلہ صادر نہیں ہو سکتا چنانچہ عربوں نے اپنی حفاظت کو ضروری سمجھا اور انہوں نے اپنے ملک کی سرحدوں پر پہنچکر عیسائیوں اور آتش پرستوں کے سیلابوں کو روکا۔ یہ خدائے تعالیٰ کی مدد اور ایمان کی قوت کا اثر تھا کہ رومی اور ایرانی ساز و سامان سے آراستہ فوجیں اور لوہے میں غرق سوار و پیادے اِن بے سر و سامان فاقہ مست مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے تو ایک ایک مسلمان ایک ایک ہزار پر بھاری نکلا۔ جس کا جی چاہے خاکِ یرموک کے ایک ایک ذرہ سے اِس اجمال کی تفصیل سن لے۔ کہ صرف ساٹھ مسلمانوں نے ساٹھ ہزار دشمنوں کا کس طرح کامیاب مقابلہ کیا تھا۔ کوئی

سیاست۔ کوئی پالٹیکس یہ تجویز نہیں کر سکتی کہ اپنے خون کے پیاسے دشمن کو صرف اپنی سرحد پر جنگ آزما ہو کر ایک دفعہ روک دینے سے امن و اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ اُس کی طاقت کو توڑے اور اُس کے سر کو جھکائے بدون کبھی بھی اُس کے خطرہ سے نجات کا حاصل ہونا ممکن نہیں اور اسی لئے آج بڑے بڑے فلاسفروں کی زبان سے ہم یہ سُن رہے ہیں کہ امن و امان کا خطبہ صرف توپ اور بندوق کے دہن سے سُنایا جا سکتا ہے۔ پس مسلمان مجبور تھے کہ اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے ان طاقتور دُشمنوں کی فوجی طاقت کو اسی طرح توڑیں جس طرح کہ ہم نے یورپ کی سلطنتوں کو دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کے فوجی نظام کو درہم برہم کئے بدوں امن و امان کو موہوم سمجھتی ہیں۔ حالانکہ اُن کی آپس کی مخالفتوں کو اس عداوت و دُشمنی سے کوئی نسبت ہی نہیں جو رومیوں اور ایرانیوں کو مسلمانوں سے تھی لہٰذا مسلمانوں نے چند ہی روز میں ان دونوں زبردست دُشمنوں کو نیچا دکھا اور خدا تعالیٰ کے وعدوں کو سچا پایا۔ آپ خالی الذہن ہو کر تاریخوں کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ مسلمانوں نے کسی ایک شخص کو بھی رومی اور ایرانی ملکوں میں داخل ہو کر صرف اس لئے قتل کیا کہ وہ اپنا پرانا مذہب تبدیل کرنا نہیں چاہتا تھا یا میدان جنگ میں مقابلہ پر آ کر ہتھیار استعمال کرنے والوں کے سوا کسی بستی کو جلایا اور کسی گاؤں یا قصبہ یا شہر کی غیر مسلح آبادی یعنی غیر مسلم رعایا میں سے کسی کا خون بہایا۔ بلکہ جو جو شہر و قصبے مسلمانوں کے زیرِ حکومت آئے اُس کے غیر مسلم باشندوں نے مسلمانوں کے طرزِ عمل اور مسلمانوں کے اخلاق کو دیکھ کر علی الاعلان اعتراف کیا کہ ہم دوزخ سے نکل کر جنت میں آ گئے اور بھیڑیوں کے پنجوں سے چھوٹ کر نجات پا گئے۔ مسلمانوں نے ان غیر مسلموں کو امن و امان کے ساتھ رکھنے اور ہر قسم کے اطمینان و راحت کی زندگی بسر کرانے یعنی ظالم دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لئے خود اپنی جانیں قربان کیں لیکن ان غیر مسلموں کو اپنی فوج میں بھرتی ہونے

اور میدانِ جنگ میں لیجا کر حریف کا مقابلہ کرانے کی تکلیف نہیں دی۔ اِس امن و امان کے قائم رکھنے اور قیمتی جانیں قربان کرنے کے صلے میں نہایت ہی خفیف سی مالی امداد چاہی۔ جو آج کل کی مساوات و عدل کی دعویدار سلطنتوں کے بھاری بھاری ٹیکسوں اور محصولوں کے مقابلہ میں بہت ہی بے حقیقت سی چیز تھی۔ اور یہ مالی امداد جس کا نام جزیہ تھا غیر مُسلموں ہی سے نہیں لی جاتی تھی۔ بلکہ یہی مالی امداد زکوٰۃ کے نام سے مُسلمانوں کو بھی ادا کرنی پڑتی تھی۔ غیر مُسلموں کو تو جزیہ کبھی خاص خاص حالتوں میں معاف بھی ہو جاتا تھا لیکن زکوٰۃ کا ادا کرنا فرض قرار دیا گیا۔ اور کسی مالدار مُسلمان کو قطعاً چون و چرا کا موقع نہیں مل سکا۔ یہ غیر مُسلم محکوم اپنے مُسلمان حاکموں سے واقف ہو کر اُن کے اخلاق و عادات اور اُن کے عقائد و عبادات مشاہدہ کرنے کے بعد اِسلام میں داخل ہوئے بدوں نہ رہ سکے اور مُسلمان ہو ہو کر اِسلام کے اُن دُشمنوں سے جو دو دن پہلے اُن کے ہمقوم ہم مذہب ہمخیال اور عزیز تھے۔ مارنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ بس اسی طرح ایران و شام و مصر وغیرہ ممالک کے اندر چند روز کے عرصہ میں اِسلام پھیل گیا یعنی اُن مُلکوں کے تمام باشندے مُسلمان ہو گئے۔ ایک سوچنے والا سمجھے اور عقل سے کام لینے والا غور کرے کہ ایران سے آتش پرستی اور مصر و شام سے عیسائیت و غیر مذاہب کے معدوم ہونے میں اِسلام کی خطا اِس کے سوا اور کیا قرار دی جا سکتی ہے کہ وہ ایسا اچھا۔ پاکیزہ اور فطرتِ اِنسانی کے عین موافق اور دِلرُبا مذہب کیوں ہے اور دُوسرے مذاہب کے مقابلہ میں وہ کیوں پختہ اور کامل اصول رکھتا اور اِنسان کو اُس کی معراجِ کمال تک پہنچاتا ہے۔

۲۵ھ میں اِسلام مصر سے افغانستان تک اور آرمینیا سے عدن تک کامل طور پر شائع ہو چکا تھا۔ دُنیا کی کوئی تاریخ ایسی نہیں جو پچیس سال کے عرصہ میں کسی مذہب کے اِس طرح شائع ہونے کی مثال پیش کر سکے۔ اِس کے بعد اِسلام بتدریج

اپنا دائرہ وسیع کرتا رہا۔ بنی امیہ کے زمانہ میں مسلمان تاجروں نے ایشیا کے مشرقی مجمع الجزائر جاوا۔ سماٹرا۔ بورنیو۔ ملایا۔ فلیپائن۔ نیوگنی وغیرہ کو مسلمان بنا دیا۔ کل شمالی افریقہ بحر اٹلانٹک کے ساحل تک اسلام سے منور ہوگیا۔ بیشک مسلمانوں نے اُن بادشاہوں کی فوجوں کو شکستیں دیں جو بت پرستی اور شرک کے حامی مخلوقِ خدا پر ہر قسم کے ظلم و ستم کو روا رکھنے والے ہر قسم کی بداعمالیوں اور شرارتوں کے امام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے لیکن محکوم رعایا اور تلوار نہ اُٹھانے والوں کو انہوں نے کبھی کوئی آزار اس بات کے لئے نہیں پہنچایا کہ انہوں نے اسلام کیوں قبول نہیں کیا۔ بلکہ یہ ایک عجیب بات ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کو اپنے زیر نگرانی لے کر مسلمانوں سے بڑھکر راحت و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کا موقع اور مذہبی آزادی عطا کرتے تھے اور وہ اسلام میں داخل ہو کر اپنے فاتحین سے زیادہ اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے دشمنوں کو زیر کرنے میں جانفشانی دکھاتے تھے۔ ۳۰۰ھ میں اسلام فرانس و اسپین و مراکو سے لے کر سندھ و پنجاب و افغانستان تک اور کوہ قاف سے بحر الکاہل و بحر ہند کے جزیروں تک پھیل چکا تھا یعنی اُس زمانہ کی قریباً تمام متمدن دنیا اسلام کے زیر سایہ آچکی تھی۔ اگر اسلام میں خود کوئی جذب، خوبی اور دلفریبی نہ تھی جو دلوں کو مسحور کر سکتی تو بتاؤ کہ تنہا ایک شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یا زیادہ سے زیادہ مہاجرین و انصار کی مختصر سی جماعت ساری دنیا کو کس طرح محکوم و مسخر کر سکی۔

مسلمان اس حالت میں کہ وہ ساری دنیا میں سب سے بڑی طاقت تھے اگر چاہتے اور اسلام صرف ملک گیری کی ہوس دلاتا تو دنیا کی چھوٹی چھوٹی غیر مسلم سلطنتوں کو (جو مسلمانوں پر حملہ آوری کی جرأت نہیں کر سکتی تھیں اور اسی لئے باقی رہنے دی گئی تھیں) بڑی آسانی سے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر سکتے تھے لیکن چونکہ اُن سلطنتوں نے اسلام کی سیادت کو تسلیم کر لیا تھا لہذا اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ افریقہ میں

حبش میں عیسائی پادشاہت کو۔ ایشیا میں چین کی بدھ سلطنت کو۔ شمالی یورپ کی عیسائی حکومتوں کو مسلمانوں نے دانستہ کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیونکہ یہ عنادی کافر یعنی اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن نہ تھے۔ یہاں تک اسلام کے عاملانہ اثر کے ایک خاص پہلو کی نسبت مختصر سا اشارہ کیا گیا ہے جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو سکتی ہے کہ دنیا کے دوسرے مذاہب کی عاملانہ کارروائیوں کے مقابلہ میں اسلام ایک ابرِ رحمت ہے اور اس پر کوئی الزام وارد نہیں ہو سکتا۔ اب اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

چین کے بادشاہ نے اپنے ملک کی بغاوت فرو کرانے کے لیے یا افواج اسلامی کے حملوں کا احتمال رفع کرنے کے لئے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں نیاز مند آدم درخواست بھیج کر التجا کی کہ اسلامی فوج کا ایک دستہ میرے پاس بھیج دیا جائے کہ میں اسکی مدد سے اپنے ملک کے باغیوں کو قرار واقعی سزا دے کر امن و امان قائم رکھ سکوں۔ چنانچہ سرحد خراسان کی افواج میں سے تھوڑے سے عربوں کو دارالسلطنت چین کیطرف جانے کا حکم ہوا اس عربی دستہ فوج کو کوہ ہمالہ کی دشوار گذار دیوار پر کشمیر سے آسام تک اس لئے سفر کرنا پڑا کہ تبت اور ہندوستان دونوں ملکوں میں اس کی مزاحمت یقینی تھی چین میں پہنچ کر ان مسلمانوں نے جو جو کام کئے ان کا یہ اثر تھا کہ چین کے پادشاہ اور چین کی رعایا نے جس طرح ممکن ہوا ان کو واپس نہ آنے دیا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے آغوشِ شفقت میں اس طرح جگہ دی کہ وہ چین ہی کے ہو رہے۔ انہیں مسلمانوں کی تبلیغی کوشش کا نتیجہ ہے کہ آج چین میں مسلمانوں کی اسقدر تعداد موجود ہے کہ یورپ کے کسی بڑے سے بڑے ملک کی آبادی اس کے برابر نہ ہو گی اور یہی مسلمان ہیں جو باشندگانِ چین کا بہترین حصہ سمجھے جاتے ہیں ؎

شدیم خاک و لیکن ببوئے تربت ما تواں شناخت کزیں بوئے مردمی خیزد

خلاصۂ کلام یہ کہ چین میں اشاعتِ اسلام کے لئے کسی شخص کی نکسیر تک بھی نہیں پھُوٹی بلکہ اسلام نے اپنی ذاتی خوبی اور اعلیٰ اصولوں کی وجہ سے بدھ مذہب والوں کو بآسانی اپنا معمول بنالیا۔

پہلے بیان ہوچکا ہے کہ بحرالکاہل اور بحرِ ہند کے کثیر التعداد جزائر سب کے سب مُسلمان تاجروں اور مُسلمان منادوں کے ذریعہ مُسلمان ہوئے اور آج تک اِن جزائر کے باشندے عیسائی مشنریوں کی سینکڑوں برس کی مسلسل کوششوں کے باوجود مُسلمان ہی چلے جاتے ہیں۔ اِن جزائر میں بھی مُسلمانوں کا کوئی جنگی جہاز نہیں پہنچا کسی شخص کے چہرے پر کوئی تلوار نہیں کھینچی گئی۔ اِسلام کی ذاتی خوبی نے خود بخود اُن کو مُسلمان ہونے پر مجبور کردیا۔

افغانستان کے اسرائیلی لوگ قیس عبدالرشید کے اِسلام لانے کے بعد ہی اِسلام سے واقف ہوکر فوراً خود بخود مُسلمان ہوگئے۔ اِس جنگجو قوم سے مُسلمانوں کو مذہب کے لئے قطعاً کوئی لڑائی نہیں لڑنی پڑی۔ اِسلام کے جس دلربا ظاہری و باطنی حُسن وجمال نے سارے جنگجو عرب کو اِسلام کا شیدائی بنادیا تھا اُسی دلکش خوبی نے اِس جنگجو افغانستان کو یکلخت اِسلام کا فدائی بنالیا اور ایسا فدائی بنایا کہ آج کسی کی ہمت نہیں کہ اُن کو اِسلام سے رُوگرداں کرنے کے لئے کوئی دھوکا دینے کی جُرأت کرسکے۔ سوچنے اور سمجھنے والے کے لئے افغانستان کا مُسلمان ہونا بھی اِس بات کی کافی دلیل ہے کہ اِسلام کی اشاعت دُنیا میں خوف یا لالچ کے ذریعہ ہرگز نہیں ہوتی۔

تُرکوں اور مغلوں نے مُسلمانوں کی دُنیوی طاقت کے کمزور ہونے اور مرکزی اِسلامی سلطنت کے ضعیف ہوجانے پر زور پکڑا اور بغداد میں مُسلمانوں کے خون سے دجلہ کا پانی سُرخ کردیا لیکن ان چیرہ دست اور فاتح کفّار نے مغلوب ومفتوح ومجبور مُسلمانوں کے اخلاق ومذہب سے واقف ہوکر فوراً اِسلام کے آگے اپنی گردنیں جھکادیں۔

کیا تاریخ عالم میں کوئی ایسی مثال دستیاب ہو سکتی ہے کہ کوئی فاتح قوم اپنی مفتوح قوم کے مذہب کی اس طرح مفتوح ہو گئی ہو۔ ایسی مثالیں اگر ملیں گی تو اسلامی تاریخ میں ہی ملیں گی۔ سارا یورپ متفق اور متحد ہو کر ملک شام پر حملہ آور ہوا اور بار بار ناکام و نامراد واپس گیا۔ لیکن اس سلسلہ کروسیڈ میں یورپ کے عیسائیوں کو اپنے مبغوض مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق سے کماحقہٗ واقف ہونے کا موقع ملا۔ مسلمانوں کے اس اخلاق فاضلہ کے نمونے کا اثر تھا کہ تاریک یورپ میں علم و اخلاق کی روشنی کا ظہور شروع ہوا۔

اس مدعا پر کافی روشنی پڑ چکی ہے کہ اسلام نے صرف اُن دشمنوں کے مقابلہ پر تلوار اُٹھائی جو اسلام کو فنا کرنے پر آمادہ ہونے اور جن کے فنا یا زیر کئے بدوں اسلام کی بقا دشوار تھی جن قوموں نے اسلام کی اس طرح مخالفت نہیں کی۔ مسلمانوں نے بھی اُن سے کوئی مخالفت اور جنگ نہیں کی۔ لیکن اسلام کی مخالفت کرنے والے اور مخالفت نہ کرنے والے دونوں ہی اسلام سے متاثر ہوئے بدوں نہ رہ سکے۔

اسلام کی معمولانہ حالت

مغلوں اور ترکوں کا حال سن چکے ہو کہ اُن کی تلواروں نے بغداد میں لاکھوں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہا دیا۔ لیکن وہ اسلام کو اپنے مذہب سے کیا متاثر کرتے خود ہی اسلام کے خادم بن گئے ؎

تشنہ غلامے کہ آب جو آرد — آب جو آمد و غلام ببرد

یورپ کے عیسائیوں نے مذہبی جوش میں دیوانہ ہو کر اسلام کو مٹانے اور فنا کرنے کے لئے تین سو برس تک مذہبی لڑائیوں کا بازار گرم رکھا لیکن کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس تین سو برس کی کوشش میں تین مسلمانوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کر کے

عیسائیت میں داخل نہ کرسکے۔ اسپین میں مسلمانوں نے اس طرح حکومت کی کہ اسپین کو امن وراحت کا گہوارہ بنا کر نمونۂ جنت بنادیا اور علم و ہنر کے دریا بہادیئے لیکن عیسائی زور پکڑ کر جب اسپین کے مسلمانوں پر چیرہ دست ہوئے تو سوائے اس کے کہ مسلمانوں کو تہ تیغ کریں یا ان کو آبنائے جبرالٹر کے پار مراقش میں جلاوطن ہونے پر مجبور کریں اور ان کے بعض بھرے ہوئے جہازوں کو سمندر میں ڈبودیں اور کچھ نہ کرسکے اس دلخراش داستان کو تفصیلی طور پر سننے کے لئے ضرورت ہے کہ انسان اپنے پہلو میں پہلے پتھر کا دل مہیا کرے پھر بھی اندیشہ ہے کہ وہ پتھر پگھل کر اور پانی بن کر آنکھوں کے راستے نہ بہنے لگے۔ سسلی یعنی جزیرہ صقلیہ میں بھی مسلمانوں کی یہی حالت ہوئی جو اسپین میں ہوئی تھی۔ سوائے عیسائیت کے اور کسی مذہب کو جرأت ہی نہ ہوئی کہ وہ اسلام کو معمول بنانے کا خیال بھی دل میں لاسکے۔ عیسائیوں نے دولت وحکومت سے قوت پاکر اسلام کو اپنا معمول بنانے کی کوششوں کو آج تک برابر جاری رکھا ہے لیکن اس کی بے بسی قابل رحم ہے کہ عیسائیوں کو اپنی ہر قسم کی انتہائی کوششوں کے بعد بھی کوئی قابل تذکرہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مال و دولت جاہ و مرتبہ حسن و جمال۔ سائنس و فلسفہ حکومت و سروری۔ نشے اور کھیل تماشے غرضیکہ ہر قسم کا لالچ اور ہر قسم کی کوششیں اپنا کام کر رہی ہیں لیکن اسلام کے مقابلہ میں سب سامان بے اثر اور بلا نتیجہ ہی نظر آتے ہیں۔ اسلامی سلطنتیں بھی یکے بعد دیگرے مٹتی جارہی ہیں اور اسلامی حکومتوں کے ایوان اس طرح دھڑام دھڑام گر رہے ہیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ مگر اسلام کو پھر بھی انشاء اللہ تعالیٰ کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ انا لہ لحافظون کا وعدۂ خداوندی آج تک ہمیشہ پورا ہوتا رہا ہے اور آیندہ بھی یقیناً پورا ہوگا۔

اسلام کی صداقت کا یہ بھی بڑا ثبوت ہے کہ عیسائی سلطنتیں اسلامی سلطنتوں کو

قابض ہوتی جارہی ہیں مگر اسلام اُن کے مذہب کو ہر میدان میں شکست پر شکست دے رہا ہے اور اسلام کی صداقتوں کا کبھی زبان سے اور کبھی زبانِ حال سے اسلام کے دشمنوں کو اقرار کرنا پڑ رہا ہے۔ غرضیکہ کوئی مذہب بھی آج تک اسلام کو اپنا معمول نہیں بنا سکا۔ گو مسلمانوں کو اپنا مغلوب بظاہر بنا سکا ہو۔

اِس جگہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسلمانوں کی موجودہ تباہ حالی کا سبب کیا ہے تو اس کا مختصر جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان اسلام پر پورے پورے عامل نہیں رہے اور قرآن کریم کو جو اُن کا دستور العمل تھا پسِ پُشت ڈال دیا ہے۔ پھر سوال ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کی نسبت بے توجہی اور اسلام پر عامل ہونے میں بے پروائی کیوں کی؟ وغیرہ۔

اِن سوالوں کے جواب کا یہ موقع نہیں۔ اِس وقت تو صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مسلمانوں کی اِس موجودہ حالت کا سبب کسی دوسرے مذہب کا اثر نہیں ہے اور اسلام عیسائی یا کسی دوسرے مذہب کا معمول ہرگز نہیں بنا نہ بن سکتا ہے۔

اسلام ہندوستان میں

ہندوستان ایک ایسا خوش آب و ہوا مُلک ہے کہ ابتدائے آفرینش سے اس مُلک میں نسلِ انسانی کی فراوانی و آبادانی کو عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے لیکن نہایت افسوس اور بے انتہا حسرت کے ساتھ یہ حقیقت زبان تک آتی ہے۔ کہ ہندوؤں کی بے پروامزاجی۔ افسانہ نگاری۔ غلط نویسی اور عجوبہ پرستی کے ہاتھوں اِس مُلک کی قدیم تاریخ کا اکثر حصّہ تاریکی میں مدفون ہو کر فنا ہو چکا ہے۔ ہمارے ہاتھوں تک جو کچھ پہنچا ہے وہ غیر مُلک کے واقع نگاروں کی تحریروں اور موجودہ زمانہ کے فرنگستانی محققین کی پامردی کا نتیجہ ہے جس کو بہت غنیمت سمجھ کر

مشعلِ راہ بنایا اور دلیلِ کارواں ٹھیرایا جاتا ہے۔

موجودہ قابلِ تذکرہ ہندو اقوام کے بزرگ ایران سے آکر اس ملک میں آباد ہوئے۔ تاریخی زمانہ میں وہی اس ملک کے باشندے سمجھے گئے اور ہندو کہلائے۔ انہیں کے مذہب کو ہندو مذہب اور انہیں کی قوم کو ہندو قوم کہا جاتا ہے۔ شاہنامہ کی روایت کے بموجب ایران کے کیانی شہنشاہ کیکاؤس کے عہد میں ہندوستان کے اندر ہندوؤں کی مستقل حکومتیں موجود اور سب کی سب ایرانیوں کی باجگذار یا کم از کم ایرانیوں کی سیادت کو تسلیم کرتی تھیں۔ زال اور اس کا بیٹا رستم دونوں قنوج آئے اور قنوج کے راجہ کی بیٹی سے رستم کی شادی ہوئی جو رستم کے بیٹے فرامرز کی ماں بنی۔ پنجاب و کشمیر کے راجاؤں کا ان دونوں باپ بیٹوں کی خدمت میں نذریں اور تحائف پیش کرنا بھی مذکور ہے۔ فرنگستانی مورخوں کی تحقیق بتاتی ہے کہ بحیرہ خضر کے قریب رہنے والی ستھین۔ دریائے جیحوں کے اس طرف کی رہنے والی ترک و مغل بحیرۂ روم کے مشہور جزیرہ نما کی یونانی۔ وسط ایشیا کی پارتھین ڈہن وغیرہ اقوام نے ایرانیوں یعنی آریوں کے اس ملک میں آباد ہو چکنے کے بعد باری باری ہند پر حملے کئے اور ہر حملہ آور نے کامیاب ہو کر وظفر مند ہو کر ہندوستان میں حکومت کے مزے اڑائے اور سلطنت کے لطف اٹھائے۔

محمد بن قاسم

مذکورہ بالا قوموں کی فاتحانہ آمد کے بعد وہ زمانہ آیا جبکہ سندھ کے راجہ نے مسلمانوں کے خلاف نہاوند و مکران کے معرکوں میں آتش پرستوں کی امداد کے لئے اپنی فوجیں بھیجیں تو مسلمانوں نے ایرانی اور سندھی اور فوجوں کو شکست دینے کے بعد سندھیوں کا اندرون ملک سندھ تک تعاقب کیا اور فوراً واپس چلے گئے۔ سندھیوں نے دوبارہ سرحدِ اسلام پر فساد برپا کیا تو مسلمانوں نے

اِس مرتبہ سندھیوں کو سزا دے کر ایک معقول حصّہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ عہدِ عثمانی کا واقعہ ہے۔ اِسی زمانہ میں سندھی اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ اِس علاقہ سندھ میں مسلمانوں نے ہندوؤں پر اختلاف مذہب کی وجہ سے کوئی تشدد نہیں کیا۔ بلکہ اُن کو بڑی آزادی کے ساتھ انتظام ملک میں اپنا شریک کار بنایا۔ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ہندوؤں نے سندھ کے مسلمانوں پر خروج کیا تو ۶۶۴ء میں مہلب بن ابی صفرہؓ نے حملہ کر کے ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد مسلمان اپنا سیاسی اقتدار سندھ میں قائم نہ رکھ سکے لیکن اسلام کا اثر برابر قائم رہا۔ جب راجہ داہر کی گورنمنٹ نے مسلمانوں کے قتل و غارت کو جائز قرار دیا اور مسلمانوں کے غیر مصافی اور تجارتی جہازوں کو ساحل سندھ پر لُوٹ لیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو قتل کیا گیا۔ تو خلیفۂ اسلام کی طرف سے راجہ داہر کو اِس نالائق حرکت کی طرف توجہ دلائی گئی۔ مگر راجہ کی طرف سے تلافی مافات اور عذر خواہی کے لئے مطلق التفات نہ کیا گیا۔ اسلامی جو دُنیا کی سب سے بڑی اور سب سے زبردست سلطنت تھی اِس بے عزّتی کو کیسے گوارا کر سکتی تھی چنانچہ محمد بن قاسم گورنر فارس کو ۷۱۲ء میں حجاج بن یوسف ثقفی کے اشارہ کے موافق سندھ پر حملہ کرنا پڑا اور راجہ داہر کو اُس کی ناخدا ترسی اور ظالمانہ طرزِ عمل کا مزا چکھایا گیا۔ محمد بن قاسم کے اِس حملہ میں مقابلہ کرنے والے اور میدانِ جنگ میں لڑنے والے ہندوؤں کے سوا عام ہندو رعایا کی دلدہی و دلداری کو یہاں تک ملحوظ رکھا گیا۔ کہ مسلمانوں نے سامانِ رسد کے لئے بھی یہاں کی رعایا کو تکلیف نہیں دی۔ اپنے ہی ملک سے تمام ضروری سامان منگانے کا نہایت زبردست اور معقول انتظام کیا گیا تھا۔ فوج کے لئے سرکہ کی ضرورت پیش آئی تو وہ بھی اِس ملک میں تلاش نہیں کیا گیا۔ بلکہ شام کے ملک سے منگایا گیا سوئی دھاگہ تک بھی مسلمان

سپاہی فارس ہی سے لے کر آئے تھے۔ اس حملہ کا سبب چونکہ راجہ داہر کا ضعیف و بیکس مسلمانوں پر ظلم روا رکھنا تھا۔ لہٰذا محمد بن قاسم نے ایک طرف تو طاقت کا اظہار کیا کہ راجہ کی کثیر التعداد اور زبردست فوجوں کو ہر میدان میں شکست پر شکست دی۔ دوسری طرف ہندو رعایا پر لطف و مہربانی کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ دکھا کر دنیا کو بتایا کہ قابو پاکر اور حکمران ہو کر غیر مذہب مفتوحوں سے اس طرح نیک سلوک کرنا چاہیئے۔ راجہ داہر کے کل مقبوضہ ممالک کشمیر و پنجاب و سندھ وغیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ محمد بن قاسم کی حکومت کے متعلق اس زمانہ کے ایک تعلیم یافتہ اور تاریخ دان ہندو مسٹر چونی لال آنند ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی بیرسٹر ایٹ لا کے الفاظ جو بعض اخباروں میں بھی شائع ہو چکے ہیں اس جگہ نقل کر دینے کافی ہیں جن کے بعد کسی تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مسٹر چونی لال صاحب آنند فرماتے ہیں :۔

"دوسرے مقامات کی طرح ہندوستان میں بھی عربی حکومت کے ماتحت رعایا اقوام پر کوئی مذہبی جبر و تشدد نہیں کیا جاتا تھا۔ محمد بن قاسم ہندوؤں کا سوشل اور مذہبی رسومات و اعتقادات کی عزت کرتا تھا۔ ہندوؤں کو قانون کی ویسی ہی پناہ حاصل تھی جیسی کہ مسلمانوں کو تھی۔ ہندوؤں کی سوشل اور مذہبی انسٹی ٹیوشنوں میں کوئی مداخلت نہ کی جاتی تھی وہ اپنے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ان کے ایما پر ان کے ذات پات کے قواعد کو بھی قانون کا درجہ دیا گیا تھا۔ توسیع سلطنت کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے لئے تمام سرکاری دفاتر کھول دیئے گئے تھے۔ برہمنوں کو مال گذاری اور کلکٹری کے کاموں پر متعین کیا گیا تھا۔ اور قاسم نے وزارت کا اعلیٰ ترین عہدہ اپنے وقت کے ایک مشہور ہندو فلاسفر مسمی کاکسا کو عطا کیا تھا۔ عربوں کے ماتحت سندھ مذہبی آزادی کی سرزمین تھی۔" (منقول و مقتبس از اخبار وکیل)

اسلامی حکومت سندھ میں دیر تک قائم نہ رہی کیونکہ فتحمند عربوں کو اپنی اندرونی پیچیدگیوں اور دارالخلافہ دمشق میں خلیفوں کے تغیر و تبدل کے سبب سندھ سے واپس جانا پڑا مگر اسلام سندھ و ملتان وغیرہ سے کبھی معدوم نہ ہوا اور نومسلموں کو ہندو اپنے مذہب میں ہرگز واپس نہ لے سکے حتیٰ کہ محمود غزنوی نے ہندوستان میں داخل ہو کر سندھ و ملتان میں مسلمانوں کو معقول تعداد اور حفاظت خود اختیاری کی قابل حالت میں دیکھا۔

سنہ ۶ ھ میں افغانستان کے مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ ہندو ان مسلمانوں پر جو سندھ و ملتان میں رہتے ہیں انواع و اقسام کے ظلم و تشدد کر رہے ہیں۔ اس خبر کو سن کر افغانی قبائل کے کچھ لوگ ملتانی مسلمانوں کی حمایت کے لئے ملتان پہنچے۔ اجمیر کے راجہ کو جب افغانی مسلمانوں کے ملتان پہنچنے کا حال معلوم ہوا تو اس نے لاہور کے راجہ کو جو اس کا قریبی رشتہ دار تھا لکھا کہ افغانستان پر چڑھائی کی جائے چنانچہ لاہور کے راجہ نے افغانستان پر چڑھائی کی اور اس طرح ہندوؤں اور افغانوں میں لڑائیوں کا ایک سلسلہ جاری ہوا۔ ابھی افغانوں سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ گکھڑوں کے جنگجو قبائل لاہور کے راجہ کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوتے۔ مجبوراً راجہ نے افغانوں سے دب کر صلح کی ملتان میں مسلمانوں کی ریاست تسلیم کی گئی اور سرحد کا علاقہ افغانوں کے سپرد ہوا۔ اس کے بعد سرحد پنجاب اور ملتان میں اسلام تو برابر ترقی کرتا رہا مگر مسلمانوں کی حکومت دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ ہندوؤں نے اپنے عہدناموں کی پرواہ کئے بدوں مسلمانوں کو ملتان کی حکومت سے بیدخل کر دیا۔

محمود غزنوی

سنہ ۹۶۳ ء کے قریب عبدالمالک سامانی کے ایک زبردست سردار الپتگین نے غزنی میں اپنی علیحدہ خود مختار ریاست قائم کی الپتگین کے سپہ سالار

سبکتگین نے غزنی کی حدود ریاست کو وسیع کرنا شروع کیا۔ سبکتگین افغانستان کے اسلامی قبائل ہی کو اپنے زیر اثر لا رہا تھا کسی ہندو راجہ کے علاقہ پر اس نے ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ لیکن سبکتگین کی روز افزوں ترقی اور شہرت نے لاہور و اجمیر وغیرہ کے ہندو راجاؤں کو متوہم کیا چنانچہ لاہور و بھاطنہ کے راجاؤں کے مشورے کے موافق ملتان سے سلسلہ کوہ سلیمان تک کا علاقہ پھر مسلمانوں کو دے کر ایک با اثر افغان شیخ حمید لودی کو اس علاقہ یعنی ریاست ملتان کا فرمانروا ہندو راجاؤں نے تسلیم کرلیا۔ مدعا اس سے یہ تھا کہ ملتان کے مسلمانوں اور افغانستان کے بہت سے جنگجو مسلمان قبائل کی ہمدردی سبکتگین کی مخالفت میں حاصل ہو جائے۔ الپتگین کی وفات کے بعد جب ۹۷۹ء میں سبکتگین غزنی کا مستقل بادشاہ بن گیا تو لاہور کے راجہ جے پال نے بڑی سرگرمی سے فوجی تیاریاں شروع کردیں۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مورخین نے اگرچہ سبکتگین کو پنجاب کے بادشاہوں کی فہرست میں شامل کیا ہے لیکن سبکتگین دریائے اٹک کے اس طرف کبھی نہیں آیا۔ جے پال جب اپنی فوجی تیاریاں مکمل کر چکا تو کثیر التعداد لشکر کے ساتھ خود سبکتگین کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ جے پال کی اس حملہ آوری کا سبب سبکتگین یا کسی مسلمان کی کوئی حرکت ہرگز قرار نہیں دیجا سکتی۔ بجز اس کے کہ جے پال کے دل میں خود ہی ان مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا خیال پیدا ہوا جو افغانستان میں راجہ جے پال کو کوئی نقصان پہنچائے بدوں امن و امان کی زندگی بسر کر رہے تھے ۹۸۰ء میں جے پال نے سبکتگین کے ملک میں داخل ہوکر جبکہ سبکتگین اپنی بڑی فوج کے ساتھ بخارا کی طرف متوجہ تھا اُس کے ایک سرحدی دستہ فوج کو قتل کر ڈالا۔ سبکتگین جے پال کی فوجوں کو اس طرح اپنے ملک میں بڑھتے ہوئے دیکھ کر مدافعت پر آمادہ ہوا یعنی اُدھر سے لوٹ کر جے پال کے مقابل صف آرائی کی اور بڑی خونریز لڑائی ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جے پال شکست

لکھا کر اس طرح مسلمانوں کے پنجہ میں گرفتار ہوا کہ تاوان جنگ اور خراج ادا کرنے کا اقرار کر کے واپس آسکا۔ شرط یہ ٹھہری کہ سبکتگین کے کچھ معتمد سردار راجہ کے ساتھ لاہور آئیں اور راجہ تمام موجودہ زر نقد اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ سامان اُن کے ہمراہ سبکتگین کی خدمت میں لاہور سے روانہ کر دے گا سبکتگین نے جے پال کے قول و قرار پر اعتبار کیا اپنے معتمد بھی اُس کے ساتھ بھیج دیئے اور خود غزنی کو واپس چلا گیا۔ جے پال نے لاہور آکر سبکتگین کے آدمیوں کو بجائے اس کے کہ تاوان جنگ اور موعودہ نذرانہ دے کر رخصت کرتا تلوار کے گھاٹ اُتار کر اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت کر دیا۔ اِس رذالت آمیز بدعہدی اور نامردانہ ظلم و درندگی کا حال سُن کر امیر سبکتگین نے جے پال کو سزا دینے کا ارادہ کیا لیکن جے پال نے پہلے ہی کافی تیاری کر لی تھی۔ اُس نے لاہور آتے ہی قنوج کے راجہ کور، میرٹھ کے راجہ دہرم دت، متھرا و مہابن کے راجہ کلیان چند۔ کالنجر کے راجہ یاجی راؤ۔ مالوہ کے راجہ منج اور اجمیر و گجرات و گوالیار کے راجاؤں کو خطوط لکھے کہ مسلمانوں کا استیصال نہایت ضروری ہے اور ہماری سب کی خیر اسی میں ہے کہ سب مل کر حدود پنجاب سے باہر ہی سبکتگین کو کچل دیں۔ اگر وہ پنجاب میں داخل ہو گیا تو پھر اُس کا روکنا دشوار ہو گا۔ اِس آواز پر سب نے لبیک کی آواز بلند کی۔ سبکتگین ابھی لمغان تک ہی پہنچا تھا۔ کہ جے پال اپنی اور تمام مذکورہ بالا راجاؤں کی افواج کا ٹڈی دل لے کر دریائے اٹک عبور کرنے کے بعد سبکتگین کے مقابل جا پہنچا۔ سبکتگین اِس بیشمار فوج کو دیکھ کر حیران رہ گیا مگر ہمت اور حوصلہ کو کام میں لا کر اِس شجاعت اور خوبی کے ساتھ اپنی مٹھی بھر فوج سے دشمن کے لاتعداد لشکر کا مقابلہ کیا کہ ہندوؤں کو شکست فاش حاصل ہوئی۔ راجہ جے پال اِس مرتبہ پھر گرفتار ہوا۔ اَب سبکتگین کا حق تھا کہ وہ راجہ کو قتل کر دیتا مگر اُس عفو و درگذر

کے پتلے نے راجہ کے الحاح وعاجزی اور طلب معافی پر پھر اُس کو چھوڑ دیا اور اُس ساز وسامان کو جو ہندوؤں کی شکست خوردہ فوج میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئی تھی کافی تاوانِ جنگ سمجھا اور صرف پندرہ ہندو قیدی بطور یرغمال اپنے ہمراہ لے کر غزنی کو لوٹ گیا۔ جے پال کو باجگذاری اور فرمانبرداری کا عہد لیکر لاہور کی طرف رخصت کر دیا۔ سبکتگین غزنی تک نہ پہنچا تھا کہ راستہ ہی میں فوت ہو کر بہشت بریں میں پہنچ گیا۔ اِس لڑائی کا ایک قابل تذکرہ نتیجہ یہ بھی تھا کہ پشاور تک کا علاقہ سلطنت غزنی میں شامل ہو گیا۔ یہ لڑائی ۹۹۷ء میں ہوئی۔ جے پال نے لاہور آکر پھر بدعہدی کی اور سبکتگین کے بیٹے اور جانشین محمود کی خدمت میں مقررہ موعودہ خراج بھیجنے کی بجائے لڑائی کی تیاری میں مصروف ہو گیا ہندوستان کے راجاؤں کی فوجیں پھر اپنی مدد کے لئے بلوائیں اور گذشتہ شکستوں کے تجربہ سے فائدہ اُٹھا کر اِس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ اِنتظام اور مضبوطی کے ساتھ بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل لے کر ۱۰۰۱ء میں پشاور پر حملہ آور ہوا۔ محمود صرف دس ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ پشاور کے قریب مقام دہمند پر لڑائی ہوئی اور عجیب اتفاق ہے کہ اِس مرتبہ بھی بیالیس ہزار ہندوؤں نے دس ہزار مسلمانوں سے شکست کھائی۔ راجہ جے پال تیسری مرتبہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوا اِس مرتبہ بھی راجہ نے اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار کیا اور خراج دینے کا وعدہ کرکے جان بخشی کی درخواست کی۔ محمود نے اپنے باپ کی سُنت پر عمل کیا اور اِس درخواست کو منظور فرما کر راجہ کو چھوڑ دیا۔ اب کی مرتبہ راجہ کو کچھ ایسی غیرت آئی کہ لاہور واپس آتے ہی تشانل یعنی پھوس کی آگ میں گر کر اپنے آپ کو جلا دیا۔ اُس کی جگہ اُس کا بیٹا آنند پال راج گدی پر بیٹھا۔ آنند پال نے کچھ دنوں محمود کو اپنے باپ کے اقرار کے موافق خراج ادا کیا۔ محمود بھی آنند پال یا اُس کی ریاست سے مطلق معترض نہ ہوا۔ آنند پال نے

دو برس تک اُدھر محمود کو اپنی ہوا خواہی کا یقین دلا کر مطمئن رکھا۔ اِدھر ہندوستان کے تمام راجاؤں کو خط و کتابت اور سفارتوں کے ذریعہ اپنا شریک و معاون بنا کر محمود کے مقابلہ کے لئے جنگ کی تیاری کرتا رہا۔ بڑے بڑے پنڈتوں اور اُپدیشکوں نے مُلک کا دورہ کر کے اپنے ویاکھیانوں سے تمام ہندوستان کو مشتعل کر دیا۔ یہانتک کہ ماؤں نے اپنے بیٹوں اور بیویوں نے اپنے شوہروں کو خود ترغیب دے دے کر لڑائی کے لئے بھیجا۔ عورتوں نے اپنے تمام زیور اُتار اُتار کر ضروریاتِ جنگ کیلئے پیش کر دیئے اور سُوت کات کات کر روپیہ فراہم کرنے اور فوجی خزانہ کو امداد پہنچانے میں تامل نہیں کیا۔ انند پال کی کوششوں سے تمام ہندوستان مُسلمانوں کے خلاف جہاد پر آمادہ ہو گیا۔ مؤرخ اِس بات پر متفق ہیں کہ انند پال نے محمود کے خلاف جنگ کو مذہبی جنگ قرار دیا اور محمود کا باجگذار ہونے کی حالت میں باغی بن کر ایسی خطرناک اور زبردست تیاریاں کیں اور ہندوستان کی تمام مالی اور فوجی طاقت کو ایک مرکز پر جمع کیا کہ اُس کے ذریعہ نہ صرف محمود بلکہ افغانستان کے پہاڑوں تک کا پیس کر سُرمہ کیا جانا ممکن نظر آتا تھا۔ مُلک کی مال و دولت اور عورتوں کے طلائی و نقرئی زیورات کے انبار انند پال کے پاس فراہم۔ جنگجو لوگوں کا ٹڈی دل بھی اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا۔ پنجاب کی عظیم الشان فوجوں کے علاوہ دہلی۔ گوالیار۔ کالنجر۔ قنوج۔ اجمیر۔ کشمیر۔ کانگڑہ۔ گجرات۔ مالوہ وغیرہ کی افواج بھی معہ ساز و سامان انند پال کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ ۱۰۰۳ء میں یہ فوجی سمندر موجیں مارتا ہوا پشاور کی طرف بڑھا۔ اُدھر محمود نے بھی اس چڑھائی کی خبر سُن کر لڑائی کے لئے تیاری کی اور پشاور کے قریب ہندوؤں کے لشکر کا استقبال۔ دونوں فوجیں چالیس روز تک ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن رہیں۔ بالآخر ہندوؤں نے محمود کے لشکر پر حملہ کی ابتدا کی اور محمودی لشکر کے کیمپ میں گھس کر ہنگامۂ زد و خرد گرم کیا۔

طرفین سے کوششوں میں کمی نہیں ہوئی۔ اِس کو اتفاقی امر سمجھو یا مسلمانوں کی بہادری کہو۔ کہ ہندوؤں کو اس مرتبہ بھی مُٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں شکست و ناکامی کی ذِلت حاصل ہوئی۔ انند پال نے پھر اپنے باپ کی سُنّت پر عمل کیا یعنی معافی کا خواستگار ہوا۔ محمود نے اُس سے فرمانبرداری اور باجگذاری کا اقرار لے کر رہا کر دیا۔ اِس جگہ ایک مُنصف مزاج اور عقلمند شخص کو سوچنا چاہیئے کہ ابھی تک محمود دریائے اٹک سے اِس طرف نہیں اُترا۔ پنجاب کے راجا اور ہندوستان کے تمام راجاؤں نے مل کر چار مرتبہ مسلمانوں پر چڑھائیاں کیں اور کیسی کیسی بدعہدی، بے وفائی اور دُشمنی کا ثبوت دیا۔ مُسلمانوں نے اپنے مُلک کی حدود سے باہر ابھی تک قدم نہیں رکھا۔ اپنے ہی مُلک میں حملہ آور ہندوؤں کو شکست دے دے کر لوٹایا مُسلمانوں کی طرف سے کس قدر عفو۔ درگذر اور مراعات کا برتاؤ ظہور میں آیا۔ یہ تمام واقعات جو مذکور ہوئے تمام مستند تاریخوں[1] میں مسطور و موجود ہیں۔ مگر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ آج محمود کے حملوں کی تعداد بڑھانے کے لئے اُس کی ہر ایک مدافعانہ لڑائی کو ایک حملہ قرار دیا جاتا ہے ؎

نامد ز من گناہے و شرمندہ ام ز تو
بر قتل چشم داری و حجت بہانہ نیست

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ۱۰۰۸ئہ میں جے پال نے جو اپنے عہدنامہ کی رُو سے محمود کا محکوم و فرمانبردار و باجگذار تھا بغاوت اختیار کی پھر بھی نہیں کہ نافرمان بننے اور حلقہ اطاعت سے باہر ہو جانے پر اکتفا کیا ہو۔ بلکہ حملہ کی ایسی تیاریاں کیں کہ کالنجر جیسے دُور دراز مقام تک کے راجاؤں کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور دریائے اٹک کو

[1] تاریخ یمینی و تاریخ فرشتہ سے لے کر راجہ شیو پرشاد ستارہ ہند کی تاریخ آئینہ تاریخ نما تک سے شہادت حاصل کی جا سکتی ہے۔

عبور کر کے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ محمود کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ محمود اس حملہ کو روکتا اور حملہ آوروں کو اپنے ملک کی حدود کے اندر شکست دے کر اپنے ملک سے خارج کرتا اور گرفتار شدہ دشمن کو بھی اپنی سیر چشمی اور بلند ہمتی کا اعلیٰ نمونہ دکھا کر چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن اس کو محمود کا پہلا حملہ قرار دیا جاتا ہے اور اس کا سبب محمود کا شوقِ غارتگری بتایا جاتا ہے۔ جس طالب العلم سے یہ سوال کرو کہ سلطنتہ کا کوئی مشہور واقعہ بتاؤ تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ محمود نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اِس سفید جھوٹ کو آمنّا وصدّقنا کہتے ہوئے آجکل نوجوان محمود کو غارت گر بتاتے ہیں۔ حالانکہ محمود کی خطا صرف اِس قدر ہے کہ وہ اپنے ملک میں سفر کرتا ہوا پشاور تک اُس فوج کے روکنے کے لئے آیا جو کالنجر تک سے چل کر چودہ سو میل مسافت طے کر کے پشاور تک پہنچ گئی تھی۔ کیا محمود کے اِس عجیب و غریب قسم کے پہلے غارتگرانہ حملہ سے بڑھکر بھی کوئی عجیب و غریب بات پیش کی جا سکتی ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں! اِس سے بڑھکر حیرت کی بات سنو۔ انند پال نے جو محمود کا باجگذار تھا کس طرح تمام ہندوستان کو آمادۂ جنگ بنایا اور کس طرح محمود کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ اوپر پڑھ چکے ہو۔ مگر اس کو محمود کا دوسرا غارتگرانہ حملہ قرار دیا جاتا ہے اور کوئی اتنا نہیں جو یہ دریافت کرے کہ انند پال کے حملہ کو محمود کا حملہ کیوں کہا جاتا ہے ؎

دریدِ جامۂ یوسف کشیدنِ دامان
گنہ زجانب سر پنجۂ زلیخا نیست

محمود درحقیقت اپنی حدود سلطنت بلخ و بخارا و سمرقند کی طرف وسیع کرنا چاہتا تھا چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اُس نے اپنی تمام تر توجہ اُسی طرف منعطف کی تھی۔ اسی طرح اُس کے باپ سبکتگین نے بھی کبھی ہندوستان کا لالچ نہیں کیا۔ بلکہ ہندوستانی سرحدوں پر امن و امان قائم رکھنے اور اس طرف سے بے فکر رہنے

کے لئے سبکتگین نے راجہ جے پال کے حملوں کو روکنے اور اُس کو شکست دینے کے بعد ہر مرتبہ اُس سے صُلح کر کے اُس کا مُلک اُسی کے پاس رہنے دیا۔ شیخ حمید لودی سے بھی جس کی ریاست کو ہندوؤں نے اپنی اغراض کی وجہ سے باقاعدہ ریاست تسلیم کیا تھا صُلح کا عہدنامہ کر لیا۔ جے پال نے جب پہلی مرتبہ سبکتگین پر حملہ کیا ہے تو اُس وقت وہ بخارا کی طرف متوجہ تھا۔ سبکتگین اور محمود دونوں باپ بیٹے ترکستان کی طرف بڑھنا اور پھیلنا چاہتے تھے۔ مگر اِس کا کیا علاج ہو سکتا تھا کہ جے پال اور اُس کے بیٹے انند پال نے بار بار کی بد عہدیوں اور بار بار کی حملہ آوریوں سے اُن کو اُس طرف پورے طور پر متوجہ نہ ہونے دیا۔ اور محمود کو مجبور کر دیا کہ وہ پنجاب و ہندوستان میں داخل ہو کر اُن لوگوں کو درست کرے جو بار بار جمع ہو ہو کر اُس کے ملک پر چڑھتے اور امن و امان میں خلل ڈالتے تھے ؎

بخود بوقتِ ذبح تپیدن گناہِ من
دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہِ کیست

کیا کوئی مُنصف مزاج یہ تجویز کر سکتا ہے کہ محمود جس پر کانگڑہ۔ قنوج۔ اجمیر۔ مالوہ، متھرا۔ کالنجر کے راجہ تین مرتبہ جے پال اور انند پال کے ہمراہ بلاوجہ حملہ آور ہو چکے تھے اُن لوگوں کو سزا نہ دیتا۔ اگر وہ اپنی مسلسل و متوالی چشم پوشی و درگذر سے کام لے کر ابھی ان لوگوں کی خیرہ چشمی اور حملہ آوری کو روکنے کے لئے اِن پر حملہ نہ کرتا اور اِن کے حملوں کے جواب میں اپنی طاقت کا اظہار نہ کرتا تو یقیناً مدبّرین ملک اُس کو پادشاہوں کی مجلس میں محمود مجرم قرار دیا جاتا اور پھر اُس کے مُلک و سلطنت کے قیام کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہتی کیونکہ اِس کے بعد خدا جانے اور کیسے کیسے عظیم الشان متفقہ حملے اُس پر ہوتے۔ بنابریں محمود نے انند پال کے

عظیم الشان حملے اور مقابلے سے فارغ ہو کر اور یہ سوچ کر کہ انند پال اپنے عہد فرمانبرداری پر اُسی وقت قائم رہ سکتا ہے جبکہ اس کے حمایتیوں کا زور توڑا جائے۔ پہلی مرتبہ دریائے اٹک کو عبور کیا اور پنجاب میں جو اُس کے باجگذار انند پال کا علاقہ تھا کسی قسم کا نقصان پہنچائے بدوں گذرتا ہوا کشمیر و کانگڑہ وغیرہ کے پہاڑی راجاؤں کے سر پر پہنچا اور اُن کو سزا دے کر اور قرار اطاعت لے کر واپس ہوا۔ بھیرہ کے راجا سے بھی سالانہ خراج اور فرمانبرداری کا اقرار لے کر اور اس طرح انند پال کے قریبی معاونوں کو اپنے اس سفر میں ٹھیک بنا کر واپس چلا گیا۔ محمود کے جاتے ہی بھیرہ کا راجا پھر باغی ہو گیا اگلے سال محمود کو پھر اُس کی سزا دہی کے لئے آنا پڑا اور فوراً واپس چلا گیا۔ جے پال اور سبکتگین کے عہد میں شیخ حمید مُلتان کا فرمانروا تھا جس نے جے پال کی شکست اور اقرار طاعت کے ساتھ ہی سلطنت غزنی کی اطاعت کا اقرار نامہ لکھ دیا تھا۔ حمید لودی کے بعد اُس کا بیٹا اور اُس کے بعد شیخ حمید کا پوتا ابوالفتح لودی مُلتان کا حاکم تھا۔ انند پال نے موقع پا کر ابوالفتح کو بہکا کر محمود کی مخالفت پر آمادہ کیا اور دونوں نے مل کر بہت بڑی لڑائی کا انتظام کر لیا۔ محمود کو جب انند پال اور ابوالفتح کی ان تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اُس نے انند پال کو راہ راست پر لانے اور اُس کی وفاداری کا امتحان کرنے کے لئے لکھا۔ کہ ابوالفتح نے بغاوت اختیار کی ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ تم اُس کی سرکوبی کرتے۔ لیکن اب سُلطانی لشکر ابوالفتح کی سزا دہی کے لئے تمہارے مُلک میں ہو کر گذرے گا تم کو لازم ہے کہ اپنے عہد نامہ کے موافق اس لشکر کی رسد رسانی کا انتظام کرو۔ مگر انند پال تو خود ابوالفتح کا محرک تھا اُس نے اِس حکم کی مطلق پرواہ نہ کی اور علانیہ محمود کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا چنانچہ محمود نے چڑھائی کی۔ انند پال مقابلہ میں شکست پا کر

کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ محمود کو موقع تھا اور اُس کا حق تھا کہ وہ پنجاب پر قبضہ کر لیتا لیکن اُس نے انند پال کے بیٹے جے پال ثانی کو بلا کر لاہور کا راجہ بنا دیا اور لاہور کے ہندو حکمران خاندان کو ہٹانا نہ چاہا۔ لاہور سے فارغ ہو کر ملتان کی طرف روانہ ہوا وہاں ایک ہفتہ ملتان کا محاصرہ کرنا پڑا۔ ابوالفتح نے عفو تقصیر کی درخواست اور گرانقدر سالانہ خراج کا اقرار کیا۔ محمود ابوالفتح کی درخواست منظور فرما کر غزنی کو روانہ ہو گیا۔ دو برس تک ابوالفتح اپنے اقرار پر قائم رہا اِس کے بعد جے پال ثانی اور دوسرے ہندو راجاؤں کی پشت گرمی اور اُن کے اُبھارنے سے ابوالفتح پھر آمادۂ سرکشی ہوا۔ اب کی مرتبہ محمود نے حملہ کر کے ابوالفتح کو قید اور ریاست ملتان کو اپنے قلمرو میں شامل کر لیا۔ ہندوستان میں محمود کا یہ سب سے زیادہ اہم اور قابل تذکرہ کام ہے۔ کہ اُس نے سب سے پہلے ایک مسلمان ریاست کو اپنی سلطنت میں ملایا اور ایک مسلمان حکمران خاندان کو مٹایا۔ اِس جگہ غور و تامل کی ضرورت ہے کہ محمود غزنوی جس کو ہندوؤں کا دشمن، مذہبی دیوانہ اور غارتگر بتایا جاتا ہے ہندو حکمران خاندانوں اور ہندو ریاستوں کو کس طرح قائم رکھتا ہندو راجاؤں سے کس طرح اقرار اطاعت لے لے کر درگذر فرماتا اور اپنے ہم مذہب یعنی مسلمانوں پر کس طرح ہاتھ صاف کرتا ہے۔ جے پال ثانی کو اُس کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کی محمود نے کوئی سزا نہیں دی۔ بلکہ چشم پوشی کے ساتھ گذر گیا۔ پہاڑی راجہ جو جے پال ثانی کے لئے سرکشی کی ترغیب کا موجب بن رہے تھے محمود نے اُن کو سزا دینا ضروری سمجھا۔ چنانچہ پہاڑی راجاؤں کی سرکوبی کیلئے دوبارہ پھر آیا۔ اِس مرتبہ جبکہ محمود اپنا لشکر لئے ہوئے پہاڑوں کے دروں میں گھسا ہوا ہندو راجاؤں کی مزاج پرسی کر رہا تھا۔ جے پال ثانی نے

بہت بڑا لشکر جمع کر کے پوری مضبوطی اور تیاری کے ساتھ محمود کو دامنِ کوہ میں کچل ڈالنے کا ارادہ کیا۔ محمود جے پال ثانی کے اِس ارادہ سے واقف ہو کر لوٹا اور دریا کی طرح پہاڑ سے نکل کر بجلی کی طرح جے پال ثانی کے لشکر پر آپڑا۔ لاہور کے قریب بہت زور شور کی لڑائی ہوئی۔ جے پال ثانی شکست کھا کر مغرب کی سمت بھاگا۔ محمود نے لاہور پر قبضہ کیا اور اپنے غلام ایاز کو لاہور کا حاکم مقرر کر کے جے پال ثانی کے تعاقب میں جس نے بھاگ کر اور راولپنڈی پہنچ کر پھر بہت بڑی فوج مقابلہ کے لئے فراہم کر لی تھی روانہ ہوا۔ راولپنڈی میں بھی جے پال ثانی نے سلطانی لشکر سے شکست کھائی اور اجمیر کی طرف راہِ فرار اختیار کی۔ اب مجبوراً محمود کو پنجاب پر قبضہ کرنا پڑا۔ چنانچہ اسی زمانہ سے پنجاب سلطنت غزنی کا صوبہ بنا۔ اور پہلا گورنر اس صوبہ کا ایاز کشمیری مقرر ہوا جس نے شہر لاہور کی آبادی اور پنجاب کی سرسبزی میں خوب اظہار قابلیت کیا۔

اب جبکہ پنجاب و ملتان قلمرو غزنی میں شامل ہو گیا اور ملک میں پورے طور پر امن و امان بھی قائم ہو چکا تو ہندوستان میں اعمالِ محمودی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ یعنی محمود نے (۱) متھرا (۲) قنوج (۳) کالنجر (۴) اجمیر (۵) سومناتھ پر حملے کئے۔ اب تک تو محمود ہر اعتبار سے سراپا محمود ہی نظر آیا ہے۔ لیکن ان مذکورہ مقامات پر اس کے حملے بظاہر اُس کو انگشت نما بنا سکتے اور اُس کے ناانصاف نکتہ چینیوں اور دشنام دہندوں کی زبانوں میں طلاقت اور دلوں میں جوش پیدا کر سکتے ہیں۔ مگر اُس شخص کو جو حقیقت آشنا بننا چاہتا ہے خالی الذہن ہو کر مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرنا چاہیئے۔

ا۔ جبکہ محمود اور ہندوؤں کے ملکوں کے درمیان سلسلہ کوہ سلیمان حائل تھا اور اُس کو ہندوؤں کے حملوں کا بہت ہی کم خوف ہو سکتا تھا۔ اُس

حالت میں ہندوؤں نے کتنی مرتبہ بلا کسی معقول اور جائز سبب کے اُس کے ملک پر پے در پے حملے کیے۔ اب جبکہ پنجاب و ملتان کے صوبے اُس کی قلمرو میں شامل ہو گئے تھے اُس کے ملک کی کوئی ایسی قدرتی سرحد نہ تھی کہ حملہ آور کو تامل ہو سکے۔ لہذا پنجاب و ملتان کے صوبوں کا امن و امان معرض خطر میں تھا اور محمود مجبور تھا کہ اُن راجاؤں پر اپنا رعب قائم کرے جن کے علاقے محمود کی حدود کے متصل تھے اور جو موقع پا کر باسانی اُس کے مقبوضہ علاقہ پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔

۲۔ ملتان اور اُس کے نواح میں تھوڑی مسلمان رعایا ضرور موجود تھی۔ لیکن باقی تمام ملتان و پنجاب کے صوبوں کی رعایا ہندو تھی۔ جو بڑی آسانی سے ہندو راجاؤں کی سازش میں شریک ہو کر اُن کے حملوں کو کامیاب و سرسبز بنا سکتی تھی اور مسلمان باوجود فاتح اور حکمران ہونے کے پنجاب کے اندر خطرہ کی حالت میں تھے۔

۳۔ وہ راجا جو ہزار ہزار اور ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار میل کا سفر طے کر کے اپنی فوجیں کئی مرتبہ پشاور تک لا چکے تھے اُن کے لئے اب پنجاب کی سرحد تک فوجوں کا چڑھا لانا بہت ہی آسان تھا۔

۴۔ جو راجا کئی مرتبہ محمود کے گھر پر چڑھ چڑھ کر جا چکے تھے۔ کیا محمود کا حق نہ تھا کہ وہ اُن کے گھر پر چڑھ جاتا اور اُس ذلت کی تلافی کرتا جو اُس کے بدلا چڑھائی نہ کرنے سے اُس پر عائد ہو سکتی تھی۔

۵۔ جو ہندو راجا اُس کے اور اُس کے باپ کے تباہ کر دینے کی کوشش میں ایک سے زیادہ مرتبہ پہلے متحد و متفق ہو چکے تھے۔ اب کو نسا امر مانع تھا کہ وہ پھر محمود کی بربادی کے لئے متحد و متفق نہ ہوتے۔ اِس خطرہ سے محمود بجز

اس کے اور کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا تھا کہ ہر ایک پر حملہ آور ہو ہو کر اپنا رُعب قائم کرے۔ اُن کی طاقت کو توڑے یا اگر موقع ہو تو اُن کی حمایت کر کے اور اُن پر احسان فرما کر اُن کو اپنا ہمدرد بنا لے۔ چنانچہ محمود نے یہ سب کام نہایت ہی سلیقہ کے ساتھ کئے۔

۶۔ محمود اس بات سے واقف تھا کہ ہندو واعظوں اور برہمنوں کو اُس کی مخالفت کے لئے تمام ملک کو برانگیختہ کر دینے میں کس قدر قدرت حاصل ہے کیونکہ انند پال نے برہمنوں اور لیکچراروں کے ذریعہ ہی چند روز میں تمام ملک کو حتیٰ کہ عورتوں تک کو محمود کی مخالفت میں مصروفِ عمل کر دیا تھا۔ ان برہمنوں اور اُپدیشکوں کے مرکز اور صدر مقام متھرا قنوج۔ کانگڑہ۔ سومناتھ وغیرہ تھے اور ان مقامات کے منادر اُن کے سازش خانے اور دفتر تھے۔ نیز ان مقامات میں ہندوؤں کی ریاستیں اور حکومتیں بھی قائم تھیں۔ مندروں کے جمع شدہ خزانوں کو مسلمانوں کی تباہی کے لئے خرچ کر دینا جائز اور بہترین مصرف قرار دیا گیا تھا پس محمود مجبور تھا کہ بعض ایسے مندروں پر۔ جن میں اُس کی تباہی کے لئے ہر قسم کا سامان مہیا تھا حملہ کرے چنانچہ محض اسی بنا پر اُس نے متھرا کے بعض مندروں میں مداخلت کی اور سومناتھ کے مندر پر حملہ کیا۔ آج بھی اگر کوئی مندروں اور مدرسوں کو گورنمنٹ کے خلاف سازشوں کا مرکز بنا لے تو گورنمنٹ ان مقامات میں مداخلت کرنے اور ان کے اندر رہنے والوں کو گرفتار کرنے میں تامل نہ کرے گی۔

۷۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ محمود متھرا اور کانگڑہ سے تو جنگی قیدیوں کو غزنی لے گیا لیکن پنجاب کی لڑائیوں میں جو ہندو سپاہی گرفتار ہوتے اُن کو اُس نے ہمیشہ چھوڑ ہی چھوڑ دیا۔ جلاوطن کر کے غزنی نہیں لے گیا۔ بات یہ ہے کہ

وہ اُنہیں لوگوں کا دشمن تھا جو اُس کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ اور امن و امان میں خلل ڈالنے کے لئے سازشیں کرتے تھے۔

محمود نے پنجاب کی حدود سے آگے بڑھ کر متھرا کے راجہ کو جے پال و انند پال کے ساتھ مل کر سلطنت غزنی پر چڑھائی کرنے قرار واقعی سزا دی۔ درحقیقت اسی کو محمود کا پہلا حملہ کہا جا سکتا ہے جو اُس نے متھرا کے راجہ پر جوابًا کیا۔ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ متھرا ہی کے اُپدیشک تھے جنہوں نے تمام ہندوستان کو محمود کے خلاف بھڑکانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔

اِس کے بعد قنوج کے راجہ کا نمبر تھا چنانچہ جب محمود قنوج پہنچا تو قنوج کا راجہ اپنے گلے میں دوپٹہ ڈال کر اور مجرموں کی صورت بنا کر محمود کے سامنے آ کھڑا ہوا محمود اور اُس کے باپ سبکتگین کی عفو درگذر تمام ہندوستان میں مشہور ہو چکی تھی۔ جے پال اور انند پال کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا اُس سے قنوج کا راجہ بخوبی واقف تھا چنانچہ راجہ کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ محمود نے اُس کے ساتھ نہایت شریفانہ اور دوستانہ سلوک کیا۔ اُس کے ملک و مال اور کسی چیز سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ آٹھ دن تک راجہ کا مہمان رہا اور اُس کو اپنے اخلاق کا گرویدہ بنا کر آٹھویں دن رخصت ہو کر واپس چلا آیا۔ اگر محمود ویسا ہی ہوتا جیسا کہ آج بلا دلیل اُس کی تصویر ہمارے سامنے کھینچی جاتی ہے تو وہ قنوج کے راجہ سے ایسی شفقت اور محبت کا برتاؤ ہرگز نہ کرتا اور قنوج کے مندروں کو مسمار کئے بدوں اور قنوج کے لوگوں کو لونڈی غلام بنا کر ہمراہ لئے بدوں ہرگز نہ لوٹتا اور آٹھ دن تک راجہ کا مہمان نہ بنا رہتا۔ اور اس طرح اپنی انتہائی یگانگت اور محبت کا ثبوت نہ دیتا۔ درحقیقت قنوج کے راجہ ایسی موافقت کا ہو جانا اغراض محمودی کے لئے نہایت اہم اور ضروری بات تھی۔ اب اُس کو

پنجاب کے امن و امان کی نسبت بہت کچھ اطمینان ہوگیا۔

اِس کے بعد محمود کو ایک مرتبہ اور مشرق کی طرف سفر کرنا پڑا اُس کا یہ سفر بظاہر اغراض مُلکی کے لئے نہ تھا۔ بلکہ شرطِ شرافت اور اخلاقی بنا پر تھا یعنی کالنجر کے راجہ نے محمود کے دوست مہاراجہ قنوج پر حملہ کیا اور محمود اپنے دوست کی حمایت کے لئے غزنی سے دو منزلہ اور سہ منزلہ یلغار کرتا ہوا روانہ ہوا۔ راستہ میں سُنا کہ قنوج کا راجہ کالنجر کے راجہ سے لڑ کر مارا گیا محمود کو اب دو سبب سے کالنجر پر حملہ آور ہونا ضروری ہوا اوّل تو قنوج کے راجہ کا انتقام لینا۔ دُوسرے کالنجر کے راجہ کا وہ قرضہ اُتارنا کہ وہ سلطنت غزنی پر جے پال و انند پال کے ہمراہ فوجیں لے کر چڑھا تھا۔ اگر محمود اِس مرتبہ کالنجر پر حملہ آور نہ ہوتا تو کالنجر کے راجہ کا قنوج کے راجہ کو محمود کی دوستی کی وجہ سے قتل کر دینا وہ اثر پیدا کر چکا تھا کہ تمام ہندو کالنجر کے راجہ کو اپنا سپہ سالار اعظم بنا کر ضرور پنجاب پر حملہ آور ہوتے لیکن محمود جب کالنجر پہنچا تو کالنجر کے راجہ کو وہی کام کرنا پڑا جو قنوج کے راجہ نے کیا تھا چنانچہ محمود اُس کی جان بخشی اور مُلک بخشی کر کے واپس چلا آیا۔ اگر کسی کے سر میں دماغ ہے اور دماغ میں عقل بھی ہے تو وہ سوچے اور غور کرے کہ کیا یہی اُس لُٹیرے محمود کے وہ حملے ہیں جن کو ڈاکہ زنی اور مذہبی جنون کے نام سے تعبیر کیا جاتا اور لُوٹ مار کے شوق کا نتیجہ ٹھیرایا جاتا ہے۔

محمود کو مشرقی جانب سے بالکل اطمینان ہوگیا تھا۔ لہٰذا اُس نے پھر کبھی بھُول کر بھی پنجاب سے مشرق کی جانب قدم نہیں رکھا۔ اب صرف جنوب کی طرف سے اجمیر و مالوہ کے راجاؤں کا خطرہ باقی تھا۔ نیز اُن کا وہ قرضہ بھی ادا کرنا رہ گیا تھا کہ تین مرتبہ جے پال و انند پال کے ہمراہ اِس پر چڑھائی کر چکے تھے۔ اُدھر جے پال ثانی نے بھی اجمیر کے راجہ نے اپنے یہاں پناہ دی تھی چنانچہ محمود نے

اوّل اجمیر پر حملہ کیا۔ اجمیر سے فارغ ہونے کے بعد صرف مالوہ و گجرات کی طاقت باقی تھی جس سے سندھ و ملتان کے محمودی علاقے کو سخت خطرہ تھا اُس نے پٹن سومنات کو اپنے حملہ کے لئے اِس واسطے انتخاب کیا کہ طاقت کا اصل مرکز وہی مقام تھا اور وہاں حملہ کرنے سے تمام گجرات و مالوہ جسدِ بے رُوح بن سکتا تھا چنانچہ محمود کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ جب وہ سومنات پہنچا ہے تو وہاں اچھوتوں کی اتنی بڑی اور زبردست جمعیت موجود تھی کہ محمود کو اُن کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا مالوہ کا راجہ بھی معہ اپنی زبردست فوج کے وہیں آموجود ہوا۔ اگر محمود اوّل اجین پر حملہ کرتا تو سومنات کی مرکزی طاقت کی موجودگی میں اُجین کا فتح کر لینا اصل خطرہ کو ہرگز رفع نہیں کر سکتا تھا لیکن سومنات کی فتح کے بعد تمام مخالف طاقتوں کا یکلخت خاتمہ ہو گیا اور ہندوؤں کے پنڈتوں کی جو محمود کے خلاف لوگوں کو آمادۂ جنگ بنانے کی کوششیں کرتے تھے زبانیں بند ہو گئیں اِن صاف اور سیدھی باتوں کو یار لوگوں نے جس رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے اور بُت شکنی کے متعلق جو جو عجیب و غریب داستانیں گھڑی ہیں اُن کو پڑھکر بڑی ہی حیرت ہوتی ہے اور عقل چرا جاتی ہے۔ اگر یہی واقع نگاری ہے تو کیوں نہ داستان امیر حمزہ اور فسانۂ عجائب کو بھی تاریخی کتابوں کی فہرست میں داخل کیا جائے اور کیوں نہ مثنوی بدرِ منیر کو ہندوستان کی تاریخ کا ایک جزو قرار دیا جائے۔ وہ لوگ جو مستند سے مستند اور کسی زبردست سے زبردست روایت کو بھی جب تک کہ درایت سے اُس کی تائید نہ ہو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ محمود کے معاملہ میں حیرت انگیز طور پر اعلیٰ درجہ کے سادہ لوح روایت پرست بن جاتے ہیں اور اپنی ابلہی یا ابلہ فریبی پر ذرا نہیں شرماتے مثلاً وہ بڑے زور شور سے یہ روایت تو نقل کرتے ہیں کہ محمود نے اُس پنج گزی مورت کے

سر پر اس زور سے گرز مارا کہ اس کے چار ٹکڑے ہو گئے اور اس کے اندر سے بیشمار جواہرات نکل پڑے ان چار ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا مکہ معظمہ اور ایک مدینہ منورہ بھیجا گیا۔ جہاں وہ ٹکڑے دروازوں کی سیڑھیوں میں نصب کیے گئے۔ لیکن ان امور پر غور فرمانے کی تکلیف گوارا نہیں فرماتے کہ

۱۔ سوم یعنی چاند کے مندر میں کوئی انسانی مورت ہوا کرتی تھی یا نہیں؟

۲۔ سوم کے مندر میں شیو کا بت کھوکھلا ہو سکتا ہے یا اس کا ٹھوس ہونا ضروری ہے؟

۳۔ مورت کے ان ٹکڑوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کسی نے دیکھا اور کسی مصنف یا سیاح زائر نے کبھی ان کا وہاں موجود ہونا بیان کیا؟

۴۔ آج وہاں وہ ٹکڑے موجود ہیں یا نہیں۔ اگر موجود نہیں تو ایسی تاریخی اور قابل تذکرہ چیز کے وہاں سے جدا ہونے کا حال ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ کس نے کس زمانہ میں ان کو وہاں سے جدا کیا اور کہاں لے گیا اور کیا کیا وغیرہ؟

سومنات سے فارغ ہو کر اور اس نواح کے کئی راجاؤں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا کر سومنات کی حکومت راجپوتوں کی قوم دابی کے ایک سردار دابشلیم کے سپرد کر کے راستہ میں سرکش قوموں کو سزا دیتا ہوا غزنی چلا گیا اور اس کے بعد جلد ہی رہگرائے عالم جاودانی ہوا۔ محمود نے قریباً تیس سال کے عرصہ میں ہندوستان کے ان راجاؤں کو جو بلاوجہ اس کے ملک پر چڑھ چڑھ کر جاتے اور اس کی تباہی و تخریب کے درپے رہتے تھے بالکل خاموش اور سیدھا کر دیا۔ پنجاب و ملتان کا علاقہ سلطنت غزنی میں شامل کیا۔ اپنے ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ تدابیر کو کام میں لایا۔ سرکشوں اور متمردوں کو مناسب سزائیں دیں۔ واقعہ پسند

لوگوں کو گرفتار کر کے لے گیا تا کہ اُس کے مُلک کے امن و امان کو تباہ نہ کر سکیں چنانچہ پونے دو سو برس تک پنجاب اُس کی اولاد کے زیر حکومت رہا اور کسی ہندو کو قطعًا جُرأت نہ ہوئی کہ پنجاب کی طرف ترچھی تیکھی نگاہ سے دیکھ سکے حتّٰی کہ غزنی کا مُلک جو اصلی مُلک تھا اُس کی اولاد کے قبضہ سے پہلے نکلا اور پنجاب آخر تک اُن کے قبضہ میں رہا۔ یہ سب کچھ نتیجہ تھا محمود کی اُن عاقلانہ تدابیر کا جو اُس نے اپنے نو مقبوضہ مُلک پنجاب کو محفوظ رکھنے کے لئے برتیں۔ محمود کو مُلکوں کے فتح کرنے کا ہرگز شوق نہ تھا۔ اُس نے بلا وجہ کسی نہیں ستایا اور یہ ہو کیسے سکتا تھا کہ ایک طرف وہ اعلیٰ درجہ کا علم دوست۔ عاقل مُنصف مزاج۔ خوش خلق اور بہادر ہو اور دُوسری طرف اُس سے وہ حرکات سرزد ہوں جو عقل و اِسلام کے خِلاف ہوں۔ اُس نے کبھی کسی ہندو کو اس لئے قتل نہیں کیا کہ وہ اِسلام کیوں قبول نہیں کرتا۔ وہ جس طرح ایک ہندو مجرم کو سزا دینا جائز سمجھتا۔ اُسی طرح مُسلمان مُجرم کو سزا دینے کے لئے ہر وقت آمادہ و مستعد نظر آتا تھا۔ ہندو مُجرموں کے ساتھ اُس نے جس قدر رعایت کی ہے مُسلمان مُجرموں کو وہ رعایت حاصل نہیں ہو سکی۔ اگر ہندوؤں کا قتل کرنا ہی اُس کا مقصد اعظم تھا تو اُس کو کیا ضرورت تھی کہ قنوج و کالنجر و سومناتھ کے دُور و دراز اور خطرناک سفر اختیار کرتا پنجاب میں کیا تھوڑے ہندو تھے جو ہر طرح اُس کے زیر حکومت اور تحت و تصرف میں تھے اوّل انہیں کے بے خطر قتل سے اپنا دل بہلاتا اور جب پنجابی ہندو ختم ہو جاتے تب آگے بڑھتا اور دُوسروں کی خبر لیتا۔ مگر کیا کوئی ثبوت کر سکتا ہے کہ محمود نے کسی ہندو کو پنجاب میں مُسلمان ہونے کے لئے مجبور کیا اور کیا محمود اور اُس کی اولاد نے پونے دو سو برس میں پنجاب کے پونے دو ہندو خاندانوں پر بھی مذہب تبدیل کرنے کے لئے زور دیا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جب پنجاب میں

مُسلمانوں کی باقاعدہ حکومت قائم ہوگئی تو مُسلمانوں کی آزادانہ آمدورفت اِس مُلک میں شروع ہوئی۔ مُلتان و سندھ کے علاقوں میں اِسلام پہلے ہی سے پھیل رہا تھا اب پنجاب میں بھی اِسلامی روشنی پھیلنی شروع ہوئی۔ پنجاب کے ہزار ہا نومُسلم خاندانوں کی اگر تحقیق کی جائے تو ایسا ایک بھی نہ نِکلے گا جس کو محمود غزنوی یا اُس کے جانشین پادشاہوں میں سے کسی نے مُسلمان بنایا ہو۔ قریبًا سب کے سب ایسے ہوں گے۔ جن میں کوئی حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے فیضِ صحبت سے مُسلمان ہوا۔ کسی کو حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے مُسلمان کیا۔ کسی کو کسی اور درویش یا عالم نے خداشناسی کا طریقہ بتایا۔ چنانچہ پنجاب کے ٹوانوں کا مشہور و معروف راجپوت خاندان حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر مُسلمان ہوا اسی طرح سیالوں اور گکھڑوں وغیرہ کے بہادر و مُعزّز قبیلوں کی حالت ہے محمودؔ کے زمانہ میں ہندو مُسلمانوں کے درمیان سیاسی اغراض کی بنا پر کتنی ہی مخالفت ہو لیکن مذہبی منافرت جیسی آج موجود ہے۔ اُس زمانہ میں غالبًا نہ تھی۔ اور منافرت کی اس کمی کا باعث ہندوؤں کی خوش اِخلاقی نہ تھی بلکہ مُسلمانوں کی سیرچشمی و رواداری تھی۔ فاتح مُسلمانوں کو مفتوح ہندوؤں کی یہاں تک رعایت منظور تھی کہ وہ اُن کو ہر قسم کے اعلیٰ سے اعلیٰ عُہدے دینے اور اُن کے ساتھ دوستانہ و شریفانہ برتاؤ کرنے پر آمادہ رہے۔ اُس زمانہ میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ مُعزّز فوجی عُہدے ہوتے تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اُسی محمودؔ کی فوج میں جس کو ہندوؤں کے قتل کا شوقین بتایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے فوجی سردار ہندو نظر آتے ہیں۔ اُن ہندوؤں کو جو آج کسی مُسلمان عُہدہ دار کو موجودہ گورنمنٹ کے کسی محکمہ میں دیکھنا پسند نہیں کرتے یہ معلوم کر کے شرم

آنی چاہیئے کہ اکبر و جہانگیر و شاہجہان وغیرہ سلاطین مغلیہ اور لودی و سوری و تغلق و خلجی وغیرہ خاندانوں کے سلاطین افغانیہ کے بے شمار ہند و اعلیٰ عہدہ داروں کے علاوہ اُس محمود کی فوج میں بھی جس کو ہندوؤں سے بے حد متنفر اور ہندوؤں کے قتل کا بے حد شائق بتایا جاتا ہے۔ راجہ تلک سپہ سالاری کا عہدہ رکھتا تھا جس کو بعد میں سلطان مسعود نے امیر الامرا کا خطاب بھی دیدیا تھا۔ سلطان محمد بن سلطان محمود کے خلاف جب چند مسلمان امیروں نے خروج کیا تو سیوندرائے اپنے آقا کا حقِ نمک ادا کرتا ہوا مارا گیا۔ سلطان مسعود کے زمانہ میں احمد نیالتگین نے پنجاب میں بغاوت کی تو ناتھ نامی ایک ہندو جرنیل معقول جمعیّت کے ساتھ مارا گیا تو راجہ تلک پسر جے سنگھ بھیجا گیا۔ اور احمد نیالتگین اُس کے مقابلہ میں مارا گیا۔ محمود کے زمانہ میں ایک اور ہندو سپہ سالار بجے رائے تھا جو بارگاہ محمودی میں رتبہ عالی رکھتا تھا خود اپنے آقا کے پاس سے کشمیر چلا آیا۔ سلطان محمود نے اپنے زمانہ میں اُس کو کشمیر سے بلوایا اور بڑی تکریم و قدر دانی کے ساتھ پیش آیا۔ یہ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ہندو تھے جو سلطان محمود کے جان نثار اور اُس کی اولاد کے وفادار رہے۔ محمود اور محمود کے جانشینوں کی طرف سے ہمیشہ ہندوؤں پر بانی و شفقت کی بارشیں ہوتی رہیں۔ آج اِس حقیقتِ نیرہ کو دروغ گوئی اور غلط فہمیوں کے غبار میں پوشیدہ کیا جاتا اور اِس کے خلاف کا یقین دلایا جاتا ہے۔

وہی محمود جس کو ہندوؤں سے اور ہندوؤں کی ہر ایک بات سے بلا وجہ عداوت رکھنے والا بتایا جاتا ہے اُس کے مسلمان مصاحب اور مسلمان ملازم ہندوؤں کے علوم و فنون اور ہندوؤں کے تمدّن و معاشرت کی تحقیق میں اپنی عمر کے بڑے بڑے حصّے صرف کر دیتے تھے۔ چنانچہ علّامہ ابو ریحان البیرونی نے

ہندوستان میں سولہ سترہ برس رہ کر اور برہمنوں کے ہاتھ سے انواع واقسام کی مُصیبتیں سہ کر اور بھیس بدل بدل کر سنسکرت زبان پڑھی ہندوؤں کی کتابوں کو مطالعہ کیا اور ہندوؤں کے تمدن، اخلاق، فلسفہ اور معاشرت وغیرہ پر ایک نہایت قیمتی اور بے نظیر کتاب کتاب الہند کے نام سے لکھی جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ پھر لُطف کی بات یہ ہے کہ بیرونی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوؤں کی بے حد طرف داری کرتا ہے۔ آج ہندوؤں کے ہاتھ میں اپنی بہت سی حقیقی یا فرضی فضیلتوں کے ثبوت میں البیرونی کی کتاب الہند سے بڑھ کر دُوسرا سامان موجود نہیں۔ کیا ہم اپنے ہندوستوں سے اِس اَمر کی توقع کر سکتے ہیں کہ وہ محمود کے متعلق مذکورہ بالا حقیقتوں سے آگاہ ہو کر ٹھنڈے دِل سے غور و تامّل فرما کر جھوٹی کہانیوں اور فرضی افسانوں کو اُسی حقارت کی نظر سے دیکھیں گے کہ جس حقارت کے وہ مستحق ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ محمود اپنے علم و فضل اور سچا پکّا مُسلمان ہونے کی وجہ سے جیسا اعلیٰ درجہ کا وسیع القلب اور بہادر تھا ویسا ہی اعلیٰ درجہ کا رحم دل اور مُنصف مزاج بھی تھا۔ چشم پوشی۔ درگذر۔ عفو وغیرہ صفات اُس میں کُوٹ کُوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ ہندوؤں کی اُس کو بے حد رعایت مدِنظر تھی۔ محمود ہندوؤں کا جس قدر ہمدرد۔ ہوا خواہ اور مربّی تھا اکبر بھی اِس درجہ کو نہیں پہنچ سکا۔ اکبر نے اپنی غرض کے لئے یعنی ہندوستان کے طاقتور مُسلمان پٹھانوں کے خطرہ سے اپنے خاندان کو بچانے کی غرض سے ہندوؤں کے حال پر مہربانیاں مبذول فرما کر اُن کو اپنا ہوا خواہ بنایا اور جب موقع پایا تو مارواڑ کی ریاست کو زیر وزبر کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ اکبر نے اپنے خاندان میں حکومت کو پائدار بنانے کے لئے اپنے ہم مذہب مُسلمانوں کے

دُوسرے خاندانوں کو تباہ کرنے میں تامّل نہیں کیا اور اپنی اسی ذاتی غرض کے پورا کرنے کے لئے اپنے مذہب کے خلاف منافقانہ طریق اختیار کرکے ہندوانہ طور وطرز اختیار کیا۔ لیکن یہ تمام کارروائیاں اُس کے ضعفِ قلب اور چال بازی کی دلیل ٹھیرائی جاسکتی ہیں جن میں صداقت وراستی کا پورا پورا دخل نہ تھا۔ وہ جس طرح اپنی نوجوانی اور ابتدائی عہد حکومت میں ایک مُسلمان نظر آتا اُسی طرح اپنے مرض الموت اور بستر مرگ پر ایک مُسلمان دیکھا گیا۔ اُس کی لامذہبی اور ہندو پرستی میں اغراضِ سلطنت پوشیدہ تھے اور ہندوستان کے طاقتور مُسلمان یعنی پٹھان قبائل کی بیخ کنی و بربادی اُس کا مقصد اعظم تھا۔ اور اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے اُس نے سب کچھ کیا۔ لیکن محمود نے ہندوؤں پر جو مہربانیاں کیں۔ ایک سچا مُسلمان ہونے کی حیثیّت سے کیں۔ اُس نے اپنے ضمیر کے خلاف منافقت سے کوئی کام نہیں کیا۔ اُس نے جے پال وانند پال کے بیٹے کو پنجاب کی حکومت سپرد کی۔ اُس نے قنوج کے راجہ پر احسان کیا اور اُس سے دوستانہ تعلقات قائم کئے۔ پھر اُن تعلقات کو اعلیٰ سے اعلیٰ شرافت کے ساتھ نباہا کہ اُس کی امداد وحمایت کے لئے غزنی سے چلا اور کالنجر تک پُہنچا۔ اُس نے کالنجر کے راجہ کو نیچا دکھا کر اپنی عالی حوصلگی کا نمونہ دکھایا۔ کہ اُس کا مُلک اُسی کو دے دیا۔ اُس نے سومناتھ کو اپنی جان پر کھیل کر فتح کیا اور پھر وہاں کی حکومت راجپوتوں کو جو جونا گڈھ یا گرنار کے حکمران تھے دے دی۔ اُس نے مالوہ۔ اجمیر۔ متھرا۔ کشمیر۔ کانگڑہ۔ بھیرہ وغیرہ کے راجپوتوں کو شکستیں دیں۔ لیکن سزا دہی کے بعد پھر اُن کو اُن کے ممالک پر بحال کر دیا۔ اُس نے ہندوؤں کو سپہ سالاریاں اور اعلیٰ عُہدے دیئے۔ اُس نے ہندوؤں کے

علوم و فنون اور تمدّن و اخلاق و معاشرت کی بے عزّتی نہیں کی۔ اُس نے مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں پر مہربانیاں کیں لیکن اِن تمام کاموں میں وہ ایک سچا مسلمان تھا اور اُس نے اکبر کی طرح کبھی کوئی منافقانہ حرکت نہیں کی۔ نہ کبھی ہندوؤں کو کوئی فریب دینا چاہا۔ مگر افسوس اور حسرت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ محمود کو تمام بدیوں کا مجموعہ اور اکبر کو تمام خوبیوں کا سرچشمہ ٹھیرایا جاتا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ ؎

طالع شہرتِ رسوائی مجنون عشق است
ورنہ طشتِ منِ و او ہر دو زیکبام افتاد

شہاب الدّین غوری

اب محمود کے بعد شہاب الدّین محمّد بن سام غوری کا نمبر آتا ہے۔ محمود کا ہندو راجاؤں پر رُعب طاری ہو چکا تھا۔ کہ اُس کے بعد باوجودیکہ سلطنت غزنی دم بدم کمزور بھی ہوتی گئی۔ مگر کسی ہندو راجہ کو اتنی جرأت نہ ہوسکی کہ اُس کے جانشینوں سے پنجاب کے مُلک کو چھین لینے کا قصد کرسکے۔ اطراف جوانب کے ہندو راجہ سلاطین غزنی اور حُکّام پنجاب کے ساتھ نیازمندی اور دوستی کے تعلقات رکھتے تھے۔ اجمیر کے راجہ محمود ہی کے زمانہ سے سلطنت غزنی کے دوست چلے آتے تھے۔

اِسی طرح ریاست قنوج کی وفاداری تو مستحکم ہی تھی۔ پنجاب اِس پونے دوسو برس کے عرصہ میں ہر طرح اِسلامی مُلک بن چُکا تھا۔ اِسلامی اثر اور اِسلام کی قبولیّت کا یہ عالم تھا۔ کہ متھرا۔ قنوج۔ بنارس۔ اجمیر اور وسطِ ہند سے بڑے بڑے معزّز اور شریف راجپوت خاندان پنجاب آ آکر مُسلمان ہو چکے تھے اور یہ سلسلہ برابر جاری تھا۔ قنوج و اجمیر کی ریاستوں کے

تجارتی اور سفارتی تعلقات پنجاب کے مُلک اور لاہور کے اِسلامی دربار سے بہت گہرے اور قوی تھے۔ راجپوتوں کی پلٹنیں اور رسالے اِسلامی لشکر میں موجود تھے اور یہی وجہ تھی کہ ہندوؤں کی زبان تک بھی اِسلامی اثر سے متاثر ہوئے بدوں نہ رہی تھی۔ چنانچہ شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے اپنی کتاب آبِ حیات میں اِس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ پرتھی راج راسا جو چند کوی ہندی کے مشہور شاعر کی ۱۱۹۳ء کے قریب کی لکھی ہوئی ہندی نظم ہے۔ اُس میں سلام۔ پروردگار۔ پیغام۔ سُلطان۔ دیوان خلق۔ فرمان۔ حضرت وغیرہ الفاظ شامل ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اِس میں حیرت کی تو کوئی بات نہیں۔ جبکہ ہندو مُسلمان پونے دو سو برس تک ایک دوسرے سے مذکورہ بالا قوی تعلقات رکھ چکے تھے تو مُسلمانوں کی زبان کے الفاظ کیوں نہ ہندوؤں کی زبان میں داخل ہوتے۔

سلاطین غزنی کے ہندوؤں کے ساتھ ہمیشہ خصوصی تعلقات رہے۔ جب غوریوں نے زور پکڑ کر غزنویوں کو دبایا تو غزنی کے آخری پادشاہ نے بجائے غزنی کے لاہور کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ کیونکہ یہاں اُس کو امن و امانت کی زیادہ توقع تھی۔ ۱۱۷۰ء کے قریب علاؤ الدین غوری اور شہاب الدین غوری نے خسرو پر زبردست حملے کئے اور بڑی بڑی سخت لڑائیاں ہوئیں۔ اِن لڑائیوں میں گکھڑوں کے قبائل نے جو ابھی مُسلمان نہیں ہوئے تھے خسرو کی طرف سے خوب خوب دادِ شجاعت دی۔ انجام کار سلاطین غزنی کے تمام مقبوضات پر غوریوں کا تسلط ہو گیا۔ خاندان غزنی کے آخری سُلطان یعنی خسرو کے عہد میں غوریوں کے ہنگامہ کی وجہ سے پنجاب کے بعض سرحدی علاقوں کے عمال خود مختار ہو گئے تھے۔ مُلتان کا عامل

علی کرماج بھی خود مختار ہو گیا تھا۔ اسی طرح ہانسی اور سونی پت کا علاقہ جو جو محمود کی وفات کے بعد ۱۰۴۳ء میں حکومت پنجاب میں شامل ہوا تھا۔ اُن کو دہلی کے راجہ نے مناسب موقع پا کر قبضہ کر لیا۔ شہاب الدین غوری نے سلطان خسرو کی شکست و گرفتاری کے بعد نہ صرف پنجاب کے اُس علاقہ پر قبضہ کیا جو خسرو کے تصرف میں رہ گیا تھا۔ بلکہ تمام اُس علاقہ کو اپنا حق سمجھا جو قدیم سے سلاطین غزنی کے زیر حکومت چلا آتا تھا۔ چنانچہ ملتان کے عامل علی کرماج کو بھی ملتان کا علاقہ شہاب الدین غوری کی نظر کرنا پڑا۔ شہاب الدین غوری نے علی کرماج کی قابلیتوں پر نظر فرما کر اُس کو ملک پنجاب کا نائب السلطنت تو بنا دیا مگر ملتان کے علاقہ کو پنجاب کی حکومت غوری سے جدا رہنا گوارا نہ کیا۔ دہلی کے راجہ سے بھی وہ علاقہ طلب کیا گیا جو اُس نے خسرو کے آخری زمانہ میں سلطنت پنجاب میں سے کتر لیا تھا۔ نیز اُس سے خواہش کی گئی کہ وہ سلطان غوری کا اُسی طرح ہوا خواہ و فرمان پذیر بنے جیسا کہ دہلی و اجمیر و قنوج کے راجا سلاطین کے ہمدرد و باجگذار رہا کرتے تھے۔ چونکہ اب اجمیر و دہلی دونوں ریاستوں کا مالک دہلی کے ایک ہی راجہ کے زیر فرمان تھا اور اُس کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی لہٰذا اُس نے شہاب الدین غوری کے پیغام کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ غوری خاندان ابھی غزنویوں کو بآسانی برباد کر چکا تھا۔ غزنویوں کے مقابلہ میں دہلی کا راجہ ایک بے حقیقت چیز سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا شہاب الدین دہلی کے راجہ کی موجودہ طاقت اور تیاری کا اندازہ کئے بدوں اُس کی سزا دہی کو ایک معمولی سی بات سمجھ کر دہلی کی طرف بڑھا۔ لیکن اُس کو حیرت ہوئی کہ پرتھی راج دہلی سے چل کر بڑی زبردست

جمعیت اور شاہانہ ساز و سامان کے ساتھ تراوڑی کے مقام پر مقابلہ کیلئے آڈٹا۔ بڑے زور شور کی لڑائی ہوئی۔ شہاب الدین اپنے جوشِ تہوّر میں اپنے سپہ سالاری کے فرائض کو فراموش کر کے ایک جانباز سپاہی کی طرح لڑنے لگا اور حریف کی صفوف کو کائی کی طرح چاک کرتا ہوا قلب دُشمن تک جا پہنچا اور ایسا زخمی ہوا کہ بیہوش ہو کر گھوڑے سے گرا ہی چاہتا تھا کہ ایک بہادر اور چالاک غلام نے فوراً گھوڑے پر اُس کے پیچھے سوار ہو کر اپنے آقا کو کولی بھر کر گرنے سے روک لیا اور گھوڑے کی باگ موڑ کر اُس کو ایسا مہیز کیا کہ صاف نکال کر لے گیا۔ فوج نے اپنے سردار کو غیر موجود پا کر کُشتہ تصوّر کیا۔ اور لڑائی میں جان نہ لڑائی۔ اِس طرح اتفاقی طور پر پرتھی راج نے فتح پائی۔ ساڑھے پانچ سو سال کا عرصہ گذر چکا تھا ہندوؤں کو اب تک کوئی بھی قابلِ تذکرہ فتح مُسلمانوں کے مقابلہ میں نصیب نہیں ہوئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اِسلامی لشکر کو ہندوؤں کے مقابلہ میں ہزیمت حاصل ہوئی۔ اِس لڑائی سے شہاب الدین کو غیر معمولی ندامت اور پرتھی راج کو فخر و تکبّر کا موقع مِلا۔ تمام ہندوستان میں پرتھی راج کی دھوم مچ گئی۔ اب تک قنوج کی ریاست بوجہ اپنی قدامت اور عظمت کے تمام ہندو ریاستوں میں سر برآوردہ ریاست تھی۔ دہلی کی ریاست کو قنوج کی ریاست سے کبھی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہوا تھا۔ اِس فتح کے بعد پرتھی راج اپنے آپ کو سب سے بڑا راجہ سمجھنے لگا اور ہندو خود بخود اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دو سال کے بعد شہاب الدین غوری پرتھی راج کی مزاج پُرسی کے لئے آیا۔ پرتھی راج کا کام تمام کر کے اُس کی ریاست کو اپنی حکومت میں شامل کیا۔ اِس طرح آئے دن کا قِصّہ ہی چکا دیا۔

شہاب الدّین کو جو پہلی مرتبہ شکست ہوئی۔ اُس کی وجہ سے مُسلمانوں کا وہ رُعب جو ہندوؤں کے دِلوں پر سینکڑوں برس سے چھایا ہوا تھا دُور ہو گیا تھا۔ اور قنوج کا راجہ شہاب الدّین کو جو ایک مرتبہ پرتھی راج سے ہزیمت بھی اُٹھا چکا تھا مقابلہ میں شکست دے دینا ممکن سمجھنے لگا اسی لئے وہ شہاب الدین کی اطاعت پر رضامند نہ ہوا۔ بلکہ اپنی اُس فضیلت و برتری کو۔ جو اُس کو دہلی کی ریاست پر حاصل تھی قائم رکھنے کے لئے مقابلہ کی زبردست تیاری میں مصروف ہو گیا۔ اِدھر شہاب الدین بغیر اس کے کہ طاقت کا اظہار کرے اور قنوج کے راجہ کو مقابلہ میں شکست دے کسی طرح اپنے مفتوحہ ومقبوضہ مُلک میں امن و امان رکھ کر ہندو راجاؤں کے حملوں سے مطمئن نہیں رہ سکتا تھا۔ جیسا کہ محمود غزنوی کو بھی پنجاب میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے یہی تدبیر مجبوراً عمل میں لانی پڑی تھی۔ چنانچہ شہاب الدین قنوج پر بڑھا۔ اُدھر سے قنوج کا راجہ جے چند بھی پوری طاقت سے مقابلہ پر آیا اور میدانِ جنگ میں قطب الدین ایبک کے تیر سے مارا گیا۔ شہاب الدّین کو اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہندوؤں کی بڑی طاقت فتح قنوج کے بعد زائل ہو چکی تھی۔ شہاب الدّین کو ضرورت نہ تھی اور عقل کا بھی اقتضا نہ تھا کہ وہ اب اتنے تجربوں کے بعد بھی قنوج و دہلی کی ہندو ریاستوں کو پھر ہندوؤں کے اُس طرح سپرد کرتا جیسا کہ محمود غزنوی نے انند پال کو شکست دینے کے بعد پنجاب کی ریاست اُس کے بیٹے کو دے دی تھی۔ شہاب الدین غوری غزنوی کے خاندان کے علاقے اور غزنویوں کے تمام حقوق کو اپنا حق سمجھ کر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے دہلی اور قنوج سے صرف اُسی قدر خواہش کی تھی اور انہیں تعلقات اور اُسی طرزِ عمل کا مطالبہ کیا تھا جو وہ غزنویوں کے ساتھ

رکھتے تھے اور اُس کا یہ مطالبہ ہرگز بے جا نہ تھا کیونکہ غوریوں کی سلطنت ہندوستان میں ہر طرح غزنویوں کی قائم مقام تھی۔ مگر ان راجاؤں نے اُس کے مقابلہ کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور اُس کی پاداش میں اپنی جانوں اور اپنی ریاستوں کو اپنے ہاتھوں خود ضائع کر کے سلطنت اسلامی کی حدود کو پنجاب تک محدود نہ رہنے دیا۔ اس طرح ہندوستان میں ایک مستقل وسیع سلطنت مسلمانوں کی قائم ہو گئی۔

اب ایک سوچنے والا سوچے اور غور کرنے والا غور کرے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے اور اسلامی حکومت اس ملک میں قائم ہونے کے حالات جو مذکور ہوئے اُس میں مسلمانوں کی کس قدر اور کون کونسی خطائیں ہیں اور مذہب اسلام پر کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے ؎

طعنہ بر فیضی مزن زاہد بہ پرس از گلرخاں
پاک دامانیٔ رندانِ گریباں چاک را

ہندوؤں کی حکومت برطرف ہو کر مسلمانوں کی حکومت قائم ہونے کے اسباب سب کے سب بے ساختہ اور یکے بعد دیگرے پیش آنے والے واقعات کا ایک سلسلہ ہے اِس سلسلہ میں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ ہندوؤں کو صرف اس لئے ذبح کیا جا رہا ہو کہ وہ ہندو کیوں ہیں۔ یا کوئی فتحمند مسلمان محض اس لئے ہندوؤں پر فوج لے کر چڑھا ہو کہ وہ اسلام میں کیوں داخل نہیں ہوتے۔ مسلمانوں کی کوئی بھی چڑھائی اور ایک بھی لڑائی ایسی نہیں ہوئی جس کا کوئی نہ کوئی ایسا سبب نہ ہو کہ اُس سبب کے واقع ہونے سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر اور ایک ہندو دوسرے ہندو پر چڑھائی کر سکتا تھا۔

یہاں تک ہندوستان میں مسلمانوں کے آنے اور اسلامی سلطنت قائم ہونے کا مختصر حال بیان ہو چکا ہے۔ ۷۱۲ء سے ۱۸۰۰ء تک چھ سو برس کے وسیع عرصہ میں مسلمانوں نے حکمران ہونے کی حیثیت سے ہندوؤں کے ساتھ کیسا سلوک کیا یہ ایک نہایت اہم حصہ ہے جو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کئے جانے کے قابل ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ کسی دوسری فرصت میں اس پر قلم اٹھاؤں۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیم۔
اس وقت اس مضمون کو جو میں نے قلم برداشتہ بڑی عجلت میں لکھا ہے یہیں ختم کرتا ہوں۔ والسّلام!

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

۱۸ فروری ۱۹۱۹ء

(٧٨٦)

از مصنفِ کتاب ہذا

جو ضروری جانتے تھے دشمنوں پر بھی کرم
دوستوں پر اب وہ رکھتے ہیں روا کرنا ستم

ناسزا سن کر جواباً ناسزا کہتے نہ تھے
خود خوشامد سے کسی کی کب بھلا ہوتے تھے ہم

راستی سے اک قدم اپنا قدم ہٹتا نہ تھا
بھائی اور بیٹے ہوں چاہے طعمۂ تیغِ دودم

دشمنی تک پہنچتی ہرگز نہ تھی نوبت کبھی
اتفاقاً اختلاف ہوتا تھا گر ہم میں بہم

تھا ہمارا بچہ بچہ صاحبِ کشف و شہود
بے حقیقت تھا نگاہوں میں ہماری جامِ جم

کون ہے کس نے بڑھکر ہم سے خدمت علم کی
نام ہی اس کا بتا دے کوئی ہم کو کم سے کم

ہم میں رازی تھا غزالی اور ابنِ رشد تھا
کونسا ہے فلسفی جس کے نہیں استاد ہم

خم اطاعت کے لئے ہوتا تھا ہر گردن فراز
گر کبھی تیغِ دودم کرتے تھے ہم اپنی علم

ہم میں خالد تھا صلاح الدین تھا تیمور تھا
ہم میں تھے ایسے بہت سے صاحبِ طبل و علم

ساری دنیا پر تسلط کر چکے تھے ہم کہ جب
تھے برس پہلی صدی ہجری میں شاید بیس کم

دہر میں ڈنکے ہمارے نام کے بجتے رہے
بحر اور بر میں تھا لہراتا ہمارا ہی علم

تھے جو دنیا دار ہم میں وہ بھی تھے روشن ضمیر
اُن کی نظروں میں کہاں جچنے لگا تھا جامِ جم

بے طلب آتی تھی اور ہوتی تھی قدموں پر نثار
طالبِ دنیا نہ تھے جبتک کہ اس دنیا میں ہم

دین کو چھوڑا ہے جب سے طالبِ دنیا نے
ہم سے رخصت ہو گئے سب دنیوی جاہ و حشم

چھوڑ کر قرآن کو ہم ہو گئے خوار و ذلیل
پھیر لی ہم سے خدا نے اپنی اب چشمِ کرم

چشم کم سے دیکھتے تھے جن کو وہ ہم چشم ہیں
بڑھ گئے وہ آج ہم سے تھے جو کل تک ہم سے کم

علم و دولت کھو چکے قسمت کو اپنی رو چکے
اب جہالت اور فلاکت سے ہیں ہم آغوش ہم

نامرادی آجکل چھائی ہوئی ہے ہر طرف
بن گئے آماجگاہِ ذلت و ادبار ہم

مفلسوں میں ہے بہت کبر و حسد کی ریل پیل
منعموں میں کم نظر آتے ہیں ارباب ہمم

خدمتِ دیں سے سوا بڑھ کر ہے مال و زر عزیز
کیا اسی ہمت پہ تو نازاں ہے او خیر الامم

ڈر ہے دل خون ہو جائیں سننے والوں کے کہیں
اے دلِ بیتاب بس اے دیدۂ خونبار تھم

ڈر ہے اس بد سے بھی بدتر ہو نہ جائے اپنا حال
اس زمانہ کو بھی اکبر آپ سمجھیں مغتنم

سیرۃ صدیقہؓ

اس کتاب میں اُس مبارک ہستی کے سوانح زندگی تحریر کئے گئے ہیں جس کو رسُول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تمام دُنیاوی نعمتوں کے مقابلہ میں اپنی ذات جامع کمالات کے لئے انتخاب فرمایا تھا یہ وہی اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ زوجہ رسُول مقبول صلعم ہیں جن کی برأت کا قرآنِ کریم ذمہ وار بنا ہے اُنہیں کی محبت کے واسطے سرورِ دوعالم شفیع الاُمم نے اپنی پیاری دلبند خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو خاص طور پر ارشاد فرمایا تھا۔ کتاب کی عبارت اُردو لٹریچر کا انتہائی لُطف دکھا رہی ہے۔ عبارت کی سلاست۔ محاورات کی دلچسپی۔ لکھائی چھپائی۔ کاغذ ہر ایک دل آویز ہے۔ واقعات کی تصویر اس طرح کھینچی گئی ہے۔ کہ گویا پڑھنے والا پڑھ نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اس کتاب کے تحریر کرنے وقت ایک خاص امر یہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ ملک کی مہذب خواتین یا جوان لڑکیاں اگر اسے پڑھیں تو انہیں ایک فقرہ بھی ایسا نہ ملے۔ جو اُن کی تہذیب کے خلاف یا جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والا ہو۔ واقعات پیدائش سے وفات تک مع متعلقات نہایت تکمیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ہمارے مُلک کی عورتیں اور مرد اگر مخرب اخلاق کتابوں کا مُطالعہ چھوڑ کر اس قسم کی دینی کتابیں پڑھا کریں۔ تو دل بہلنے کے ساتھ ساتھ مذہبی برکتیں۔ سعادتمندی۔ نیک سلیقہ اور علم بھی حاصل ہو۔ ولایتی کپڑے کی جلد نہایت خوبصورت بندھی ہوتی ہے۔ لائبریری کی زینت ہے قیمت مجلد تین روپے

بلا جلد دو روپے دس آنہ علاوہ محصولڈاک

ملنے کا پتہ

مینیجر صوفی کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب

تاریخ اسلام

اس تاریخ کی ضخامت نہ اس قدر زیادہ ہے کہ آج کل کے لوگ اس کو مطالعہ نہ کر سکیں نہ
اس قدر مختصر ہے کہ کوئی ضروری چیز رہ گئی ہو۔ پیچیدہ اور دماغ میں محفوظ نہ رہ سکنے والے واقعات
اس خوبی کے ساتھ سلجھا کر لکھا گیا ہے کہ پڑھنے کے بعد انسان حیران رہ جاتا ہے اور علم و واقفیت
کے حاصل ہونے پر قلب و دماغ خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے۔ کوئی قابل تذکرہ واقعہ ایسا نہیں
جو چھوٹ گیا ہو اور کوئی بیان ایسا نہیں جو غیر مستند ہو۔ تاریخ کو مطالعہ کرتے ہوئے کو
سوال پیدا کرنے والے کے دل میں ایسا پیدا نہیں ہو سکتا جس کا جواب فوراً اس کو نہ مل جا
اور کوئی واقعہ ایسا نہیں جس کے متعلقات حسب ضرورت بیان نہ ہو گئے ہوں۔ یہ تاریخ نہ
و سنجیدہ اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ کسی جگہ سنجیدہ و محققانہ انداز کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا
نہ کسی جگہ ناولانہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔ نہ شاعرانہ طرز استعمال ہوا ہے مگر چونکہ اسلام
تاریخ ہے اور مصنف نے صحیح تاریخ کے بیان کرنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس
اس میں ایسی زبردست کشش ہے کہ بار بار پڑھنے سے بھی دل سیر نہیں ہوتا حقیقت یہ
تاریخ کی خوبی صرف مطالعہ کے بعد ہی ہر شخص کو معلوم ہو سکے گی اور تمام اسلامی ممالک میں
اسی تاریخ کے عربی و فارسی ترجمے رائج ہونگے۔۔ پہلی اور دوسری جلد چھپ کر تیار ہیں اور اسی
کے بعد دیگرے چار جلدیں شائع ہونگی پہلی جلد میں خلافت راشدہ کے آخر یعنی حضرت امام حسنؓ تک
حالات درج ہیں۔ دوسری جلد حضرت امیر معاویہؓ کے حالات سے شروع ہوتی ہے مصنفہ مو
اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی)۔ قیمت جلد اول بلا جلد [illegible] مجلد [illegible] علاوہ محصول ڈاک
قیمت جلد دوم بلا جلد [illegible] مجلد [illegible] علاوہ محصول ڈاک۔۔

ملنے کا پتہ

منیجر صوفی کمپنی منڈی بہاؤ الدین پنجاب

سلسلہ مطبوعات صوفی نمبر ۳

مذہب اور تلوار

مصنفہ
مولینا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی

باخذ جملہ حقوق
صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ
پنڈی بہاؤالدین پنجاب کے لئے
ملک محمد الدین صاحب مینجنگ ڈائرکٹر نے
رفیق عام پریس ریلوے روڈ لاہور سے
چھپوا کر شائع کیا!
قیمت فی جلد
(باہتمام چودھری محمد الدین خاں پرنٹر)